اداریہ

یاددہانی

پاکستان کے قیام و استحکام میں جس قدر جماعت احمدیہ کا مدد وتعاون شامل رہا ہے وہ اپنی ذات میں بے نظیر و بے مثال ہے۔ 1940ء کے دہاکے میں جب تحریک پاکستان پورے زوروں پر تھی تو جماعت احمدیہ وہ واحد مذہبی جماعت تھی جو اس تحریک کی سرخیل تھی اور ہراول دستے کے طور پر کام کر رہی تھی۔ بطور خاص 1946ء کے انتخابات میں (جن پر قیام پاکستان کا انحصار تھا) جماعت احمدیہ نے اپنا پورا بوجھ مسلم لیگ کے پلڑے میں ڈال دیا تھا تا کہ امت مسلمہ کو الگ ملک کے حصول میں کوئی مشکل نہ ہو۔ اسی طرح سر خضر حیات کے استعفیٰ میں حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کا کردار کلیدی حیثیت کا حامل تھا۔ پھر باونڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کے کیس کی وکالت حضرت چوہدری صاحب نے کی اور اس کی تیاری میں حضرت مصلح موعود کے مشورے، رہنمائی اور مدد شامل رہی۔ یہاں تک کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی باونڈری کمیشن کی کارروائی میں تشریف فرما ہوتے اور دعاؤں سے بھی مدد فرماتے۔

قیام پاکستان کے بعد استحکام پاکستان کے لئے بھی جماعت احمدیہ ہمیشہ سرگرم عمل رہی ہے اور رہے گی (انشاءاللہ)

قیام پاکستان کے فوراً بعد حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے مسلسل کئی خطبات میں پاکستانی حکومت اور عوام کو قیمتی مشوروں سے سرفراز فرمایا۔ حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کو وزیر اعظم کے بعد وزارت خارجہ کا سب سے اہم عہدہ تفویض کیا گیا اور اس حیثیت میں استحکام پاکستان کی جدوجہد اور محکوم اقوام کی آزادی کیلئے ان کی کوششیں ایک الگ باب ہے۔ قائد اعظم نے ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحب پر اظہار اعتماد کرتے ہوئے ان کو اپنے بیٹے کی طرح قرار دیا۔

اس کے علاوہ پاکستان کی جنگوں میں نمایاں کردار اور ہمت وجرات کے اعلیٰ نمونے پیش کرنے والے بھی احمدی رہے ہیں مثلاً جنرل اختر حسین ملک، جنرل عبدالعلی ملک، میجر جنرل افتخار جنجوعہ وغیرہ۔

یہ ایک نہایت مختصر سا نقشہ صرف اہل وطن کی یاددہانی کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آجکل کے بعض نام نہاد دانشور اور بزعم خود مورخین جماعت احمدیہ کے کردار کو دھندلانے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اہل پاکستان کے حافظے اتنے کمزور نہیں ہیں کہ وہ ان کے دھوکے میں آجائیں۔ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ کون قیام پاکستان کا حامی تھا اور کون مخالف تھا۔ کون استحکام پاکستان کے لئے جانیں لڑا رہا تھا اور کون اس کے خلاف سازشیں کر رہا تھا۔ کون متنازعہ مسائل کے حل کے لئے ہر طرح کی مدد دے رہا تھا اور کون ہر طرح کے مسائل پیدا کر رہا تھا۔ لیکن

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اس لئے انصاف پسند حلقوں سے ہماری گذارش ہے کہ پاکستان کی تاریخ کو بگاڑنے کے ناجائز عمل کے خلاف ردعمل ظاہر کریں اور حالات وواقعات کی صحیح اور درست عکاسی کریں۔

کوئی تو ہو جو سچ بولے اور سچ لکھے۔

کانگریس پلان کی سادہ زبان و مطلب کے مطابق کام کریں گے۔ لیکن نہرو اور گاندھی نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ ان پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ پلان کی کس طرح وضاحت کرتے ہیں اور ان کی وضاحت کو ہی قبول کیا جائے اور اس پر عمل درآمد کیا جائے۔ اس صورت حال سے پھر تعطل پیدا ہوا۔ وزیر اعظم ایٹلی نے 1946ء کے اواخر پر نہرو اور جناح کو لندن اس امید پر بلا بھیجا کہ وہ اس تعطل کو دور کرا سکے گا لیکن اس کی امید بے کار ثابت ہوئی اور یہ ضروری ہو گیا کہ اس صورت حال کے حل کے لئے کسی دوسرے حربے کو استعمال کیا جائے۔

20 فروری 1947ء کو وزیر اعظم ایٹلی اور برطانوی سرکار نے اعلان کیا کہ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جون 1947ء سے پہلے اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھ سونپ دیئے جائیں۔ اس کام کے لئے ایک سکیم تیار کی جائے گی جس کے تحت اختیارات سنٹرل گورنمنٹ آف انڈیا کو منتقل ہو سکیں گے اور اگر یہ بہر طور ممکن نہ ہوا تو کچھ حالات میں اختیارات صوبائی حکومتوں کو دے دیئے جائیں گے۔ اس سے مسلم لیگ کے لئے پنجاب میں بہت پریشان کن صورت حال پیدا ہوئی جہاں یونی نیسٹ پارٹی مسلم لیگ کی بجائے اقتدار میں تھی۔ خوش قسمتی سے احمدیوں کے مشورے سے ملک سر خضر حیات خان اپنے پنجاب کے وزیر اعظم کے عہدے سے استعفیٰ دینے کی حکمت عملی کے قائل ہو گئے تاکہ پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت بنانے کے لئے راستہ کھل جائے (اور آخر انہوں نے استعفیٰ دیکر قیام پاکستان کی راہ میں سے آخری روک بھی اٹھا دی)

(''احمدیت'' 237 تا 245)

....

پھر آج اپنی ناؤ بھنور سے گذر گئی

کل رات تیری بستی کہ جاں سے گذر گئی
تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

اب کے دعا کو ہاتھ بھی اٹھنے نہ پائے تھے
چپکے سے آئی آ کے قضا کام کر گئی

وہ نور تھا کہ چہرے پہ ٹکتی نہ تھی نظر
وہ درد تھا کہ طاقتِ قلب و جگر گئی

سارا ہی شہر ہجر کی تصویر بن گیا
ہر آنکھ خوں فشاں تھی جہاں تک نظر گئی

وہ کرب تھا کہ جان کے اُس پار تک گیا
تھی خوف کی وہ لہر کہ وقتِ سحر گئی

اپنے خدا نے آج پھر اپنا دیا ثبوت
پھر آج اپنی ناؤ بھنور سے گذر گئی

پھر آسماں کے پار سے آئی ہے اک صدا
جو ہر دلِ فگار کو مسرور کر گئی

(مکرم نجیب احمد فہیم صاحب۔ منڈی بہاؤالدین)

میرے وطن مجھے تیرے افق سے شکوہ ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

''احمد ندیم قاسمی ایک بزرگ شاعر اور بہت بڑے ادیب ہیں۔ مگر اپنے وطن کے لئے دعا کے وقت کبھی انہیں یہ خیال نہیں آیا کہ وہاں رسول اللہ ﷺ کے غلاموں پر جو ظلم ہو رہے ہیں ان کے خلاف بھی آواز اٹھائیں۔ اس لئے میں نے ان کی ایک نظم کی تضمین کہی ہے۔ اگر ان کو اس سے اختلاف ہو تو ہم مجبور ہیں''۔ (کلام طاہر)

خدا کرے کہ مرے اِک بھی ہم وطن کے لئے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو
سوائے اس کے کہ وہ شخص احمدی کہلائے
تو سانس لینے کی بھی اس کو یاں مجال نہ ہو
وہ سبزہ زاروں میں ہو سب سے سبز تر پھر بھی
رگیدا جائے اگرچہ وہ پائمال نہ ہو
چمن میں وہ گلِ رعنا جو خاک سے اٹھے
اکھاڑنے میں اسے تم کو کچھ ملال نہ ہو
وہ پھول ہو کے بھی آنکھوں میں خار سا کھٹکے
تو ایسا زخم لگاؤ کہ اِندمال نہ ہو
وہ لاکھ علم و عمل کا ہو ایک اوجِ کمال
فقط وہ غازیٔ گفتار و قیل و قال نہ ہو
مگر سب اہلِ وطن یہ بھی سوچ لیں کہ کہیں
لباسِ تقویٰ میں لپٹی یہ کوئی چال نہ ہو
میرے وطن مجھے تیرے افق سے شکوہ ہے
کہ اس پہ ثبت ہے عبدالسلام نام کا چاند
اسے ڈبو کے کوئی اور اُچھال کام کا چاند
تُو یہ کرے تو کبھی تجھ پہ پھر زوال نہ ہو
ہر ایک شہری ہو آسودہ ہر کوئی ہو نہال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

الہام کلام اُس کا

کلام طاہر کی اشاعت کے دوران موصول ہونے والے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ارشادات

(محترمہ امۃ الباری ناصر صاحب۔ کراچی)

(مکرمہ امۃ الباری ناصر صاحب کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے منظوم کلام کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں حضور انور رحمہ اللہ سے رابطہ رکھتے ہوئے حضور کے ارشادات اور پر شفقت رہنمائی سے فیضیاب ہونے کی خاص سعادت حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ میں ''کلام طاہر'' میں شامل نظموں سے متعلق ان کا ایک مضمون بعنوان ''الہام کلام اس کا'' الفضل انٹرنیشنل کے جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۱ میں شائع ہو چکا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں نظر ثانی کے بعد کلام طاہر کا تازہ ترین ایڈیشن شائع ہوا جس میں کئی نئی نظمیں بھی شامل کی گئیں۔ ذیل کا مضمون مزید بعض نظموں اور اشعار و الفاظ و تراکیب کے استعمال کے متعلق حضور انور رحمہ اللہ کے مکاتیب گرامی پر مشتمل ہے۔)

(مدیر الفضل انٹرنیشنل)

نظم نمبر ۳:

متلاطم عرفان کا قلزم۔ صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے یہ مصرع یوں تھا:

''بہہ نکلا عرفان کا قلزم۔ صلی اللہ علیہ وسلم''

حضور رحمہ اللہ نے اس کو درست فرمایا۔ سوچ کی گہرائی کا اندازہ کیجئے۔ درست کرنے کی وجہ اور مضمون سے وفا کا اندازہ لگائیے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ بھی ان جگہوں میں سے ایک ہے جس کو میں نے پہلے ہی نشان لگا رکھا تھا کہ وقت ملا تو ٹھیک کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی تجویز 'موج میں تھا عرفان کا قلزم'، 'بہہ نکلا عرفان کا قلزم' سے بہت بہتر ہے۔ مگر پہلے جو مضمون بیان ہوا ہے اس کے ساتھ 'موج میں تھا.....' مطابقت نہیں رکھتا۔ 'موج میں تھا' کا مضمون ایک ساکت جامد حالت کو پیش کر رہا ہے۔ لیکن پہلی طرز بیان تقاضا کرتی ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز ہوگئی کی طرز پر اس میں کچھ ہو جانے یا کسی تبدیلی کا ذکر پایا جانا چاہیے جیسے عربی میں 'اصبح'، 'سار' وغیرہ کلمات سے ادا کیا جاتا ہے۔ موج میں ہوگیا کا اندازہ ہونا چاہیے تھا یا پھر فعل کا استعمال کلیۃً ختم کر کے اس مصرع کو صفت موصوف کی ترکیب میں پڑھا جائے تو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اسی مجبوری کی وجہ سے میں نے 'موج میں تھا.....' کی بجائے 'بہہ نکلا' کے الفاظ میں مضمون بیان کرنے کی کوشش کی لیکن دل میں یہ کھٹک تھی کہ 'بہہ نکلا..... قلزم' کے متعلق کہنا جائز نہیں۔ کیوں نہ اس مصرع کا تعلق پہلے بند کے جاری مضمون سے توڑ کر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے باندھ دیا جائے۔ اس صورت میں یہ مصرع یوں بنے گا:

متلاطم عرفان کا قلزم۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اس طرح مصرع کا پہلا نصف دوسرے نصف کے ساتھ نسبت توصیفی یا نسبت بدل اختیار کر لیتا ہے۔

(مکتوب ۱۶/ جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۵)

نظم نمبر ۴:

”کاش اُتر آئیں یہ اڑتے ہوئے سیمیں لمحات“

کا متبادل آپ نے یہ تجویز کیا ہے۔ ’کاش رُک جائیں یہ اڑتے ہوئے سیمیں لمحات‘۔ یہ تو بڑا خطرناک مشورہ ہے کیونکہ اڑتے ہوئے رُکیں گے تو مریں گے گر کر۔ میرا جو تصور ہے وہ تو یہ ہے کہ جس طرح پرندے اترتے ہیں اسی طرح یہ روحانی لمحات نور کے پرندوں کی طرح اتر آئیں۔ آپ نے دو مضامین کو دو مصرعوں میں Repeat کیا ہے یعنی رُک جائے اور ٹھہر جائے۔ جبکہ مَیں نے پہلے مصرع میں اڑتے ہوئے لمحات پرندوں کی طرح اترنے کا مضمون باندھا ہے۔ پرواز میں رُک کر دھڑام سے گرنے کی بات نہیں کی۔ میرے تصور پر میرا زیادہ حق ہے۔ براہ کرم اس کے پَر نہ باندھیں۔ اس بیچارے کو تسلی سے اڑنے دیں“۔

(مکتوب ۱۵/ مئی ۱۹۹۳ء صفحہ ۶)

نظم نمبر ۱۳:

کیا حال تمہارا ہوگا جب شدّاد ملائک آئیں گے

”آپ نے مسودہ میں شدّاد کے معانی کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیہ میں سورۃ تحریم کی آیت (مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ) کا جو حوالہ دیا ہے وہ اطلاق نہیں پاتا۔ یہ آیت نہ لکھیں کیونکہ شدّاد پر شِداد کی مثال صادق نہیں آتی۔ اگر اس کا حوالہ دینا ہے تو پھر لکھ دیں کہ اگرچہ آیت میں لفظ شِداد ہے لیکن اُردو میں یہی معنی لفظ شدّاد سے ادا ہوتا ہے۔ شدّاد قوم عاد کے اس بادشاہ کا نام ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور شعر کہتے وقت یہی میرے پیش نظر تھا۔ دوسرے لغوی لحاظ سے آیت میں جو لفظ شِداد ہے وہ ’شدید‘ کی جمع ہے۔ شدید کی جمع کی دوسری مثال قرآن کریم میں ’اَشِدَّاء‘ بھی آئی ہے جبکہ مَیں نے لفظ شدّاد استعمال کیا ہے جو کہ شدید سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس لئے اگرچہ معنوی طور پر یہاں بھی مراد وہی ہے لیکن بہتر ہے کہ آپ قرآن کریم کا حوالہ دینے کی بجائے لغت کا حوالہ دیں کہ یہ شدید سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے بہت زیادہ سختی کرنے والا۔ یہ قوم عاد کے ایک بادشاہ کا نام بھی ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ لغت کے حوالے سے بس یہ نوٹ دے دیں“۔ (مکتوب ۱۵/ مئی ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۰، ۱۱)

اے میرے سانسوں میں بسنے والو

”آپ نے ’میری سانسوں‘ تجویز کیا ہے۔ ہم نے تو سانس کا لفظ ہمیشہ مذکر ہی استعمال کیا ہے۔ اور بالعموم اس کا مذکر استعمال ہی سنا ہے۔ آپ کی اس تجویز پر مَیں نے لغت بھی چیک کی ہے اس میں اس کا استعمال مذکر اور مونث دونوں طرح سے آیا ہے۔ جامع اللغات میں لکھا ہے ’سانس اندر کا اندر باہر کا باہر‘۔ ’سانس پورے کرتا ہے‘۔ ’سانس کا روگ‘ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال اگرچہ مونث استعمال ہوسکتا ہے اور شاید لکھنوی زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں کے تابع وہاں مونث کا استعمال رائج ہو لیکن مَیں نے گھر میں اسے کبھی مونث نہ استعمال کیا، نہ سنا۔ لغت بھی اس کے استعمال سے مانع نہیں اس لئے اسی طرح رہنے دیں“۔ (مکتوب ۱۶/ جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۳، ۴)

نظم نمبر ۲۲:

جو روتے روتے مند گئیں آنکھیں، گھل گھل کر جو چراغ بجھے

اس مصرع کے بارہ میں آپ کا مشورہ درست ہے اور جو

آنکھیں مند گئیں رو رو کر' زیادہ بہتر ہے لیکن پھر اس سے اگلے مصرع کا پہلا جزو ۔۔۔۔۔ 'آن' پر ختم ہوا اور دوسرا حصہ اس طرح شروع ہو ۔۔۔۔ 'کھیں گھل گھل کر جو چراغ بجھے'۔ تو پھر وزن درست رہتا ہے۔ اگرچہ یہ سقم ہے۔ اس لئے اگر اسے بدلنا ہے تو پھر اس سے اگلے حصہ مصرع کو بھی وزن کی درستی کے لئے بدلنا پڑے گا اور اس میں 'وہ' یا 'یوں' یا 'اور' زائد ڈالنا پڑے گا۔ آپ کے مجوزہ متبادل میں پہلا تو مکمل ہے۔ لیکن دوسرے میں جوڑنے کے لئے جو لفظ چاہیے وہ غائب ہے۔ مثلاً 'یوں گھل گھل کر جو چراغ بجھے' کر دیا جائے تو پھر ٹھیک ہے۔ پڑھنے کے انداز کے فرق سے جو سقم سا پیدا ہوتا ہے اس کی مثالیں قادر الکلام شعراء کے حوالہ سے بیان کر چکا ہوں جو مکروہ نہیں سمجھی جاتیں۔ اس لئے وزن ٹھیک رکھنے کی خاطر اگر نصف مصرع کا آخری ٹکڑا دوسرے نصف مصرع کو شروع میں مستعار بھی دینا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔ بہرحال اس مصرع کی شکل دو طرح سے بن سکتی ہے پہلی تجویز میں 'یوں' اگر زائد لگتا ہو تو اسے 'اور' کر لیں۔

جو آنکھیں مند گئیں رو رو کر۔ یوں گھل گھل کر جو چراغ بجھے
جو مند گئیں آنکھیں روتے روتے گھل گھل جو چراغ بجھے

مجھے تو پہلی تجویز 'یوں' کی بجائے 'اور' کے ساتھ اچھی لگ رہی ہے۔ آپ کو جو پسند ہو وہ رکھ لیں۔ (مکتوب ۱۵/ مئی ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۱)

نظم نمبر ۲۲:

ظالم نے اپنے ظلم سے آپ ۔ اپنے ہی افق
دھندلائے ہیں

کے متعلق آپ نے تجویز دی ہے کہ 'آپ' کی بجائے 'خود' بھی ہو سکتا ہے۔ آپ کی تجویز منظور ہے۔ بہت اچھی ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ٹھیک ہے اس کے مطابق اب یوں کر دیں:

ظالم نے اپنے ظلم سے خود اپنے ہی افق دھندلائے ہیں

(مکتوب ۵/ دسمبر ۱۹۹۳ء)

نظم نمبر ۲۳:

بحر عالم میں اک بپا کر دو
پیار کا غلغلہ تلاطم عشق

خاکسار نے پہلے مصرع میں اک کی جگہ 'تم' تجویز کیا جو حضور نے ازراہ شفقت منظور فرمالیا مگر جب مسودہ اصلاح کے لئے گیا تو 'تم' کو پھر 'اک' ہی تحریر کر دیا۔ میرے توجہ دلانے پر آپ نے بڑا دلچسپ جملہ لکھا:

"'بحر عالم میں اک بپا کر دو' والے مصرع میں 'اک' کی بجائے 'تم' کی اجازت دی ہوگی لیکن بادل نخواستہ دی ہوگی کہ آپ کی ہر بات کا تو انکار نہیں ہو سکتا۔ ویسے مجھے تو 'اک' کے ساتھ زیادہ پسند ہے"۔ (مکتوب ۵/ دسمبر ۱۹۹۳ء)

الفاظ اور تلفظ کی غلطیوں کے بارہ میں رہنمائی

حضور نے تحریر فرمایا:۔

"لفظ 'بھبا کے' سے متعلق آپ کی بات درست ہے کیونکہ 'بھبکے' سے 'بھبا کا' کسی ڈکشنری میں نہیں ملا۔ یہ دراصل ہماری بچپن کی Slang تھی۔ خوشبو کے لئے ہمارے ذہن میں قادیان میں جو تصور پیدا ہوتا تھا وہ گویا اس طرح تھا کہ چھوٹا سا خوشبو کا جھونکا ہو تو اسے 'بھبکا' کہتے مگر خوشبو کا ایسا بھبکا کہ گویا فوارہ پھوٹ پڑے اس کو ہم بچپن کی Slang میں 'بھبا کا' کہا کرتے تھے۔

اسی طرح اگر شدید بدبو کا ذکر کرنا ہوتا تو اس کو ہم اس طرح بیان کیا کرتے تھے کہ فلاں شخص یا جگہ سے تو بدبو کے بھبا کے اٹھ رہے ہیں۔ پس ایسی Slangs مختلف علاقوں میں رائج ہو جاتی ہیں جو ڈکشنریوں میں راہ پانے کے لئے لمبا عرصہ لیتی ہیں۔ اس لئے مَیں آپ کی بات مانتا ہوں۔ یہ لفظ ابھی تک عرف عام کی سند نہیں پا سکا لیکن ممکن ہے ہمارے گھر کی حد تک محدود رہا ہو۔ پس اس مصرع کو اب اس طرح تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

سینے میں مرے ذکر کی اک دھونی رما کے

بیٹھا رہا وہ ذکر کی اک دھونی رما کے

اک ذکر کی دھونی مرے سینے میں رما کے

غالباً یہ آخری بہتر ہے۔ مگر تینوں میں سے جو آپ پسند کر لیں۔ اس معاملہ میں آپ کی پسند پر اعتماد کرتا ہوں۔ اگر تینوں ہی دل کو نہ لگیں تو مجھے ایک اور موقع دیں''۔

(مکتوب ۵/دسمبر ۱۹۹۳ء)

مہک:

لفظ مہک کے متعلق آپ کی بات درست ہے۔ یہ مہک اور مُہک دونوں طرح آ جاتا ہے۔ مگر مجھے تو مُہک سے زیادہ لگاؤ ہے اور ہمارے گھروں میں بھی مہک ہی پڑھا جاتا تھا۔ لیکن اہل زبان ح، ہ، ھ، سے پہلے زبر آ جائے تو اس میں امالہ بھی کرتے ہیں جیسے رہنا، کہنا، سہنا وغیرہ۔ اسی طرح مَیں بھی مُہک کو مہک کی بجائے امالہ کر کے مہک پڑھتا ہوں لیکن بعض شعراء جب ضرورت سے زیادہ اپنی اردو جتاتے ہیں تو وہ مچل کے وزن پر مہک پڑھتے ہیں''۔ (مکتوب ۳/دسمبر ۱۹۹۳ء)

اور پر زبر نہیں ہے۔ یہ لفظ اور ہے اَور نہیں۔ اَور کا مطلب ہوتا ہے مزید جبکہ اور کا مطلب ہے سمت۔ جس طرح چور کو چَور پڑھنا جائز نہیں اسی طرح اور کو اَور پڑھنا جائز نہیں''۔ (مکتوب ۵ دسمبر ۱۹۹۳ء صفحہ ۸)

ضائع:

''لفظ ضائع کا ایک تلفظ اگرچہ 'ضایا' بھی چل پڑا ہے مگر جب ادبی کلام پڑھا جائے تو پھر اس کو ضایا پڑھنا یا لکھنا غلط ہے اور اس کو پسند نہیں کیا گیا۔ حضرت مصلح موعود اس سے بہت الرجک تھے۔ لیکن اب یہ عرف عام میں مستعمل ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کے اوپر کوئی گرامیرین دھونس ڈالنی مناسب نہیں۔ زبان دانی کی دھونس لفظوں پر ضرور چلتی ہے لیکن جب کوئی لفظ غلط العام ہو جائے تو پھر اس کے سامنے ادب کی ساری لگامیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ حضرت مصلح موعود کافی عرصہ لفظ 'ضایا' کے خلاف احتجاج فرماتے رہے ہیں مگر پھر بھی 'ضایا' راہ پا ہی گیا ہے۔ آپ اس ناپسندیدگی کا اظہار اکثر ایسے پڑھنے والوں پر فرماتے تھے جو آپ کے کلام میں ''ضایا مرا پیغام......'' پڑھ دیا کرتے تھے اور ایسے اعلیٰ ادبی کلام میں واقعی ضائع کو ضائع ہی پڑھنا چاہیے اور ضایا نہیں کہنا چاہیے...... باقی جو عام درست الفاظ ہیں ان میں اگر کوئی غلط پڑھے تو بہت تکلیف دیتا ہے۔ مثلاً نشان کو نشان پڑھنا......''۔ (مکتوب ۵/اپریل ۱۹۹۵ء صفحہ ۳)

(بشکریہ الفضل انٹرنیشنل ۴/اپریل تا ۱۰/اپریل ۲۰۰۳ء)

باقی آئندہ

vvvvvvvvvvvvvvvvvvvv

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

(مکرم فرید احمد صاحب ۔ بشیر آباد سندھ)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگوں کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔
وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا......

(آل عمران:۱۰۴)

"اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارہ پر تھے مگر اس نے تمہیں اس سے بچالیا"

آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد وہی لوگ جو جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے والے تھے ایک نیا سفر اختیار کرتے ہیں جو قرب الٰہی اور رضائے خداوندی کے حصول کا سفر تھا۔ خداتعالیٰ کی طرف ان کے سفر کی ابتدا کبھی تبلیغ اسلام کے نتیجہ میں ہوتی ہے اور کبھی حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کو دیکھ کر۔ اور بعض اوقات ان کے سفر کے آغاز کا سبب خداتعالیٰ کی طرف سے دکھائے جانے والے رویاء صالحہ بنتے ہیں۔ آج جس صحابی کا ذکر کروں گا ان کا یہ مقدس سفر ایک خواب سے شروع ہوا جو مندرجہ بالا آیت کریمہ کے عین مطابق ہے اور وہ صحابی ہیں حضرت خالد بن سعیدؓ۔

نام و نسب

خالد بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد بن شمس بن عبدمناف بن قصی ۔ القرشی ، الاموی ، کنیت ابوسعید۔

قبولیت اسلام

آپ کا شمار سابقین الاولین میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد ایمان لانے والوں میں آپ کا تیسرا یا چوتھا نمبر ہے۔ آپ کی بیٹی ام خالد کا بیان ہے کہ آپ کا اسلام لانے والوں میں پانچواں نمبر ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد سے پہلے کون کون ایمان لایا تو کہا۔ حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آپؓ کے ایمان لانے کا سبب ایک خواب بنی۔ آپؓ نے خواب میں دیکھا کہ آپ آگ کے ایک بہت بڑے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہیں اور آپ کے والد آپ کو اس میں پھینکنے کی کوشش کر رہے ہیں تب حضور ﷺ آپ کو کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے بچالیتے ہیں۔

جب صبح ہوئی تو آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ خواب بیان کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:۔

"تیری بھلائی چاہی گئی ہے پس تو خدا کے رسول محمد ﷺ کی اتباع کر۔ اگر تو ایمان لے آیا تو تیرا ایمان لانا تجھے آگ میں گرنے سے بچالے گا جس میں تیرا باپ تجھے گرانا چاہتا ہے"۔

یہ سن کر آپ حضور ﷺ کے پاس آئے۔ آتے ہی سوال کیا:۔

"اے محمد (ﷺ) تو کس کی طرف بلاتا ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"میں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اسی کا بندہ اور رسول ہے۔ میں ان کی عبادت

نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو جو نہ تو قوت گویائی رکھتے ہیں اور نہ ہی شنوائی، نہ ہی وہ کسی کے نقصان پر قادر ہیں اور نہ ہی وہ کسی کے لئے فائدہ مند ہیں۔ وہ تو اس امر سے بھی مطلع نہیں کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے اور کون ان سے بے رغبتی کا سلوک کرتا ہے"۔

اس کو سن کر حضرت خالد بن سعیدؓ نے فرمایا :-

"میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا ہی معبود حقیقی ہے اور آپ رسول خدا ہیں"۔

آنحضرت ﷺ نے آپ کے قبول اسلام پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اسلام لانے کے بعد آپ اپنے والد کے خوف سے چھپ گئے جب آپ کے والد کو آپ کے قبولیت اسلام کی اطلاع ملی تو وہ سخت تیخ پا ہوا اور آپ کے بھائیوں کو آپ کی تلاش میں بھیجا۔ وہ آپ کو ڈھونڈ کر لائے تو آپؓ کے باپ نے آپ کو سب وشتم کیا اور خوب مارا اور کہا:-

"تو محمد (ﷺ) کی اتباع کرتا ہے حالانکہ اس کی قوم بھی اس کے خلاف ہے۔ اس کی تعلیم تو ہمارے معبودوں پر عیب لگاتی ہے اور ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتی ہے"۔

اس پر آپؓ نے فرمایا:-

"خدا کی قسم میں محمد (ﷺ) کی تعلیم پر عمل کروں گا"۔

یہ جواب سن کر آپؓ کے باپ نے کہا:-

"دفع ہو جاؤ میں تیرا نان ونفقہ بند کرتا ہوں"

یہ سن کر آپؓ نے فرمایا:-

"آپ نے میرا نان ونفقہ بند کر دیا ہے تو کوئی پرواہ نہیں خدا تعالیٰ مجھے رزق عطا کرے گا"۔

آپؓ کے باپ کا شمار اسلام کے شدید مخالفین میں ہوتا تھا اور وہ مکہ کے روساء میں سے تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوا تو اس نے قسم کھائی کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ملی تو میں ابن ابی کبشہ (مراد آنحضرت ﷺ) کے معبود کی مکہ میں عبادت نہیں ہونے دوں گا۔ باپ کی یہ قسم سن کر آپؓ نے کہا: "اے خدا اسے شفا نہ دینا"، چنانچہ اسی بیماری میں وہ مر گیا۔

حضرت خالد بن سعیدؓ اور آپ کی زوجہ امیمہ بنت خالد الخزاعیہ نے حبشہ کی طرف جانے والی دوسری ہجرت میں حصہ لیا۔ وہیں پہ آپ کے ہاں سعید بن خالد اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی حضرت عمرو بن سعیدؓ نے بھی ہجرت کی۔

فتح خیبر کے بعد آپ دونوں بھائی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دونوں کو غنائم خیبر میں سے حصہ دیا۔ حضرت خالد آنحضرت ﷺ کے ساتھ عمرۃ القضاء، فتح مکہ، حنین، تبوک اور طائف میں شریک تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی آپ اس وقت یمن میں ہی تھے۔

شہادت

حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو شام کی طرف بھیجے جانے والے لشکروں میں سے ایک لشکر کا امیر بنا کر شام بھیجا۔ آپ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں ہی "مرج صفر" میں شہید ہوئے اور بعض کے نزدیک آپ واقعہ اجنادین میں شہید ہوئے۔

مصادر: (۱) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر۔

(۲) اصابہ فی تمییز الصحابہ لعلامہ ابن حجر

☆☆☆

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی

مجلس عرفان

سوال: خلافت احمدیہ کی بقا اور دوام کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے گئے ہیں؟

جواب: فرمایا۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کی خلافت کا تعلق ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دیدی تھی کہ آپ کی خلافت تا قیامت جاری رہے گی۔ فرمایا: یہ اسی طرح ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت اب تک قائم ہے۔ یہ سوال اس وقت زیر بحث نہیں کہ وہ خلافت حقہ تھی یا نہیں لیکن بہر حال جاری ہے۔ اس کے برعکس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو **ہزار سال تک خلافت صالح جاری رہنے کی خدا تعالیٰ نے بشارت دی** اور آپ کو ایک ہزار سال کا مجدد قرار دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے بعد زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک روزمرہ کے مسائل کا تعلق ہے، خلیفہ وقت ان کو بخوبی حل کرسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر اس فتنے سے آگاہی اور نبٹنے کے مکمل وسائل رکھتا ہے جو خلافت احمدیہ کے مستقبل کے لئے باعث خطرہ ہوسکتے ہیں۔

فرمایا: جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے ایک منظم جماعت ہے اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں اس قسم کی یا اس سے بہتر جماعت موجود نہیں خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی۔ جماعت احمدیہ کی کوئی بھی شاخ خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی اس طرح سے منظم ہے کہ ہر حصہ اپنے اپنے طور پر سرگرم عمل ہے۔

ہمارا نظام انتخاب جمہوری ہے جو کہ تمام دنیا میں کام کررہا ہے اور کوئی بھی شخص اپنے متعلق غلط اور جھوٹا پروپیگنڈہ نہیں کرسکتا بلکہ وہ کسی بھی قسم کا پروپیگنڈہ نہ تو کرتا ہے اور نہ ہی اسے اس بات کی اجازت دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص کسی عہدے کے لئے چنا جاتا ہے وہ اپنا نام بھی خود پیش نہیں کرسکتا۔ اس کے ساتھ ہی اس نظام کا نگران نظام خلافت ہے۔ اگر کسی جگہ انتخابات میں کوئی خرابی ہوجائے تو خلافت کے نمائندے اس بات کا دھیان رکھتے ہیں کہ کسی قسم کا نقصان پہنچنے سے پیشتر اس حصے کو الگ کردیا جائے جو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمدہ اور اعلیٰ نظام ہے کہ جس میں نظام خلافت اللہ تعالیٰ کا خادم بن کر جمہوری خیالات کی نگرانی کرتا ہے۔

فرمایا: اس سے پیشتر اسلام میں بھی ایسے کسی نظام کی مثال نہیں ملتی۔ یہ دنیا میں اپنی قسم کا واحد نظام ہے۔ اسی لئے حضرت مصلح موعود کو آپ کی پیدائش سے پیشتر ہی مصلح موعود قرار دے دیا گیا تھا کہ آپ کی پیدائش سے قبل کوئی شخص ایسا شاندار نظام قائم کرنے کے قابل نہیں ہوا جو نہایت درجہ متوازن ہو۔ اس نظام میں اوپر سے لے کر نیچے تک کوئی نہ کوئی آنکھ اس کی نگرانی کررہی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نائیجیریا کے دوردراز علاقے میں واقع ہونے والی معمولی سے معمولی بات بھی خلیفہ وقت سے چھپی نہیں رہ سکتی۔

سوال: کیا خلافت راشدہ کے ختم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ امت محمدیہ میں سے اعمال صالحہ ختم ہوگئے تھے؟

جواب: فرمایا۔ آپ کا اشارہ آیت استخلاف کی طرف ہے لیکن وہاں اور کسی اور جگہ پر یہ نہیں کہا گیا کہ اعمال صالح

کے نتیجے میں لازماً خلافت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے خلافت کے لئے اعمال صالحہ بجالانا ضروری قرار دیا ہے لیکن اعمال صالحہ کے لئے خلافت ضروری قرار نہیں دی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے جو اعمال صالح رکھتے ہوں گے انہیں خلافت ضرور دی جائے گی (جب ایک دفعہ خلافت عطا ہوگئی تو اس کے ختم ہونے کا مضمون یہاں بیان نہیں کیا گیا) اسی طرح کی خلافت جس طرح تم سے پہلی قوموں کو خلافت دیتے آئے ہیں۔ لہذا جن باتوں کے نتیجے میں پہلے خلافتیں اٹھ جاتی رہی ہیں ان باتوں کی موجودمیں یہاں بھی خلافت اٹھ جانے کا امکان ہے۔ خلافت ختم ہونے کی شرائط میں سے ایک یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ

(الرعد: ۱۲:۱۳)

کہ اللہ تعالیٰ جو نعمت عطا کرتا ہے اس کو بغیر کسی وجہ کے واپس نہیں لیتا یہاں تک کہ تم ان کیفیات کو بدل دو جو کیفیات ان نعمتوں کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں۔ خلافت کے قیام کے لئے وحدت ایک نہایت اہم جزو ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہو یا امت کی وحدت۔ اس مضمون کو اس آیت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے تاکہ موحد ہو اگر تم اس توحید سے منہ پھیر لوگے تو پھر فاسقوں میں شمار ہوگے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے خلافت راشدہ کی ناشکری کی اور اس معاملے میں امت دو حصوں میں اس طرح بٹ گئی جیسے کسی نے درمیان میں سے کاٹ کر دو حصے کر دیے ہوں جب وحدت کو توڑ دیا تو خلافت جاتی رہی۔ ایک طرح کی خلافت ختم ہوگئی لیکن ایک دوسری قسم کی خلافت قائم رہی۔ خلافت کا صرف ایک دور ختم ہوا اور دوسرے کا آغاز ہوا۔ پہلی قوموں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دو طرح کی خلافت رائج تھی۔ ایک مسلسل خلافت بغیر انقطاع کے وہ ہمیشہ جاری نہیں رہتی بلکہ وقتاً فوقتاً اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بارہ نقیب مسلسل نہیں ملے بلکہ بارہ صدیوں میں ملے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چودھویں صدی کے نقیب تھے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نکال دیا جائے تو بارہ نقیب رہ جاتے ہیں اور چودھویں صدی آجاتی ہے۔ یہ خلافت مجددین کی شکل میں ملتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر دین کی تجدید کے لئے مجدد کھڑا کرے گا۔ یہ جو بارہ مجدد ہوئے ہیں، جس طرح وہاں خلافت نے مجددین کی شکل اختیار کرلی تھی اسی طرح یہاں بھی مجددین کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ جس طرح موسوی سلسلے میں چودھویں صدی کا مجدد حضرت مسیح علیہ السلام تھے۔ اسی طرح یہاں بھی چودھویں صدی کا مجدد مسیح موعودؑ ہیں۔ اس کے بعد جو خلافت شروع ہوئی تو یہ کوئی نئی خلافت نہیں اور نہ ہی یہ وعدہ خلافت اب کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ وعدہ خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی خلافت قیامت تک جاری رہنے کا کیا گیا تھا اور ایک لمبے عرصے تک، جب تک اس دنیا کی صف لپیٹنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں کرتا، **یہ خلافت امت محمدیہ کی خلافت کے تابع لازماً جاری رہے گی۔ اعمال صالحہ سے امت محمدیہ کبھی خالی نہیں ہوگی۔**

(بحر عرفان شائع کردہ لجنہ اماء اللہ لاہور)

☆☆☆

آپ ربوہ کے ماحول کو ایسا بنادیں کہ ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آرہی ہوں

ربوہ کی بیوت الذکر کو آباد کریں تا احمدیت کی فتح کے نظارے ہم جلد دیکھ سکیں

پودوں اور پھولوں سے ربوہ کو سرسبز و شاداب کر کے حضرت مصلح موعود کا خواب پورا کریں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 7 جون 2003ء کو چلڈرن کلاس میں بچوں سے خطاب فرماتے ہوئے ربوہ کے اطفال کے نام حسب ذیل پیغام دیا۔

"ربوہ کے بچے ماشاء اللہ آپ لوگوں کی طرح بہت ہی پیارے بچے ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ احمدیوں کو سلام کو رواج دینا چاہیے یعنی ہر احمدی کو یہ عادت ڈالنی چاہیے کہ وہ ہر ملنے والے کو سلام کہے اور اس کیلئے حضرت صاحبؑ نے قادیان کی مثال دی تھی کہ وہاں ہر بڑا چھوٹا سلام کہتا تھا اور ایک بہت پیار اور محبت والا ماحول تھا۔ تو عمومی طور پر حضرت صاحبؑ نے سارے بچوں کو اور بڑوں کو یہ کہا تھا کہ جب آپس میں ملیں تو سلام کہیں، خوش اخلاقی سے ملیں، لیکن ربوہ کے بچوں کو خاص طور پر کہا تھا کہ وہاں کا ماحول ایسا ہے کہ سلام کی عادت ڈالیں۔ تو ربوہ کے بچوں کے لئے یہی میرا پیغام ہے کہ ربوہ کے ماحول کو ایسا بنادیں کہ ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آرہی ہوں، بڑے بھی چھوٹے بھی بچے بھی۔ بعض دفعہ بڑوں سے سستیاں ہو جاتی ہیں تو بچے اس کی پابندی کریں کہ انہوں نے بہر حال ہر ایک کو سلام کہنا ہے اور سلام کرنے میں پہل کرنی ہے تو اس طرح ربوہ کے ماحول پر بڑا خوشگوار اثر پڑے گا۔ انشاء اللہ۔ ایک تو یہ بات ہے۔

دوسرے (بیوت الذکر) کو آباد کرنے کے لئے جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خواہش تھی کہ نئی صدی میں ہر گھر نمازیوں سے بھر جائے تو یہاں بھی آپ نمازیں پڑھنے کی طرف توجہ دے رہے ہیں اور دیں۔ ربوہ کے ماحول میں جو خالصۃً احمدیت کا ماحول ہے بچوں کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کو بھی توجہ دلائیں اور خود بھی خاص توجہ کریں

"شیخ عجم" حضرت صاحبزادہ سید محمد عبداللطیف صاحب

(یہ مضمون الفضل انٹرنیشنل میں 16 جولائی سے 8/ اکتوبر 1999 تک بالاقساط شائع ہوتا رہا ہے۔ اب اسے شکریہ کے ساتھ قارئین "خالد" کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔)

قسط دوم

(محترم سید میر مسعود احمد صاحب)

تحصیلِ علم کے بعد وطن میں قیام اور مصروفیات

تحصیل علم کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے وطن واپس آگئے اور سید گاہ میں قیام کر کے علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس، اصلاح احوال، قیام سنت نبوی ﷺ اور تربیت خلق میں مصروف ہوگئے۔ اس وقت وہاں کے رواج کے مطابق ان کی سوتیلی مائیں ان کے آبائی گھر میں بیوگی کی حالت میں اپنا وقت گزار رہی تھیں۔ ان کو کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ ان سے کہا کہ اگر وہ شادی کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں اور اگر اپنے گھروں کو جانا چاہیں تو جتنا سامان چاہیں ساتھ لے کر جا سکتی ہیں، ان کی طرف سے اجازت ہے۔ اس پر وہ اپنی خواہش کے مطابق رخصت ہوگئیں۔ جب آپ کی برادری کے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ آپ سے ناراض ہوئے اور کہا کہ آپ نے تو ہماری ناک کاٹ ڈالی ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دین پر عمل کرنے سے ناک کٹتی ہے تو کٹے مجھے ایسی ناک کی ضرورت نہیں۔

سید احمد نور بیان کرتے ہیں کہ آپ کے مہمان خانہ میں عموماً تیس چالیس آدمی رہتے تھے۔ آپ بہت مہمان نواز تھے۔ ان سب لوگوں کے کھانے کا انتظام آپ کی طرف سے ہوتا تھا۔ آپ کی ایک وسیع بیٹھک تھی جس میں دو صد افراد بیٹھ سکتے تھے۔ جب لوگ نماز کے لئے آتے تو پہلے بیٹھک میں مجلس ہوتی، قرآن و حدیث کا درس دیا جاتا تھا اور دینی امور پر گفتگو ہوتی تھی۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو سب مسجد میں آجاتے اور نماز ادا کرتے تھے۔

مسجد میں نماز سے پہلے یا بعد میں کوئی بات چیت نہیں ہوتی تھی۔ مسجد کے احاطہ میں حجرے بنے ہوئے تھے جن میں آپ کے شاگرد رہا کرتے تھے۔ جانب شمال ایک نہر تھی جو آپ کے گھر کے صحن میں سے گزرتی تھی۔

آپ نہایت سخی تھے اور غرباء کا خاص خیال رکھتے تھے۔ جب قحط سالی ہوتی تو آپ اپنا تمام غلہ فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ آمد غریبوں کی امداد میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں خوست میں تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک طبقہ حاکموں کا تھا، دوسرے عام مولوی اور تیسرے شیخان جو تصوف کا رنگ رکھتے تھے اور اپنے آپ کو قادری سلسلہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب فرمایا کرتے تھے جب میں نے ان تینوں گروہوں کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کے طریق کے خلاف پایا۔ حاکم نہایت ظالم تھے اور لوگوں سے ناجائز طریق سے روپیہ وصول کر کے دولت سمیٹتے تھے۔ مولویوں کو دیکھا تو انہیں ایسا پایا کہ ہر ایک سے جھگڑتے ہیں اور فتویٰ بازی کرتے

رہتے ہیں۔ شیخان کو دیکھا تو ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی تسبیحیں پائیں۔ وہ بہت سے امور میں قرآن وحدیث کے خلاف تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً یہ کہ پٹے رکھنا حرام ہے۔ نسوار کا استعمال حرام ہے۔ جس زمین میں نسوار کا پودا کاشت کیا جائے پلید ہو جاتی ہے اور تین سال تک اس میں لگائی گئی فصل کا استعمال حرام ہوتا ہے۔ نسوار استعمال کرنے والے کی بیوی بغیر اس کے کہ اسے طلاق دی جائے مطلقہ ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ مانڑکی (مانکی) کے پیر صاحب کے متبع تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے پیر کو آسمان میں، زمین کے نیچے اور دریاؤں کے اندر جس قدر بھی مخلوق ہے اس کا علم ہے۔

آپ کے شاگرد مولانا عبدالستار خان بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی صحبت میں آنے سے پہلے میں بھی شیخان سے تعلق رکھتا تھا لیکن جب میں نے اپنے پہلے استاد کو چھوڑ کر حضرت صاحبزادہ صاحب کی شاگردی اختیار کی اور آپ سے بہت سے حقائق ومعارف سنے تو ان کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ ایک مرتبہ میں نے آپ سے شیخان کے عقائد کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے ان کی تردید فرمائی اور سمجھایا کہ جو بھی پیر ومرشد دنیا میں ہیں وہ خدا تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔ وہ خدا کے رسول کے قدم پر ہوتے ہیں اور یہی ان کی بزرگی ہے۔ ولایت، قطبیت یا غوثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

مولانا عبدالستار خان صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب اور دوسرے عالموں کے کلام میں یہ امتیاز ہوتا تھا کہ جب عام مولویوں سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ یوں جواب دیتے تھے کہ ان کے خیال میں یہ مسئلہ اس طرح ہوگا۔ وہ لوگ ظنی باتیں کرتے تھے۔ انہیں یقین حاصل نہیں تھا لیکن آپ جب جواب دیتے تو پورے یقین اور وثوق کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ چونکہ شیخان افغانستان میں بکثرت پھیلے ہوئے تھے اس لئے حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان کے حالات کی تحقیق کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ آپ نے ان سے نرمی اور محبت کا تعلق رکھنا شروع کیا۔ جو لوگ آپ کے پاس آتے آپ انہیں قرآن وحدیث کی طرف دعوت دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخان کا ایک عالم آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ صاحبزادہ صاحب آپ کو ہمارے استاد پیر صاحب مانڑکی سے ملنا چاہیے جو اس وقت سوات کے آخون صاحب کے موذن ہیں۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب ان سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اثناء سفر میں جگہ جگہ شیخان آپ کو ملتے رہے۔ وہ آپ کی بہت عزت کرتے تھے اور اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ اتنا بڑا آدمی ہمارے پیر کا شاگرد بننے کے لئے جا رہا ہے۔ حالانکہ آپ کا مقصد ان کے حالات معلوم کرنا تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ کیا شیخان کے مولوی جن مخصوص عقائد کی افغانستان میں تعلیم دیتے ہیں وہ واقعی پیر صاحب مانڑکی کے عقائد ہیں یا یہ امور ان کی طرف غلط منسوب کئے جاتے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میں پیر صاحب سے ملا تو معلوم ہوا کہ بظاہر وہ اچھے آدمی ہیں اور ان کے منہ سے میں نے کوئی ایسی بات نہیں سنی جو شیخان ان کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ میں چند روز ان کے پاس رہ کر واپس آ گیا۔ جب حضرت صاحبزادہ صاحب واپس آئے تو شیخان پہلے سے زیادہ تعداد میں آپ کے پاس آنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ان کے پیر سے مل کر آئے ہیں اس لئے ان کی باتیں سننی چاہئیں۔ جب شیخان کے مخصوص مسائل کے بارہ میں فتویٰ پوچھا جاتا تو حضرت صاحبزادہ صاحب کی رائے سن کر ان کو تعجب ہوتا اور وہ کہتے کہ مانکی کے

پیر صاحب تو یوں کہتے ہیں لیکن آپ اُن کی رائے کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔ اس پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک دفعہ پھر سفر کیا۔ آپ اس امر کی تحقیق کرنا چاہتے تھے کہ آیا ان باتوں کی پیر صاحب خود تعلیم دیتے ہیں یا یہ لوگ ان کی طرف غلط طور پر منسوب کرتے ہیں۔ جب آپ دوسری مرتبہ ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ مانکی صاحب کے پاس ایک اور مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں جو سوٹا کے پیر صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ سوٹا صوبہ سرحد میں صوابی کے نزدیک ایک مقام ہے۔ ان دونوں پیروں کے درمیان مذکورہ بالا اختلافی مسائل پر جھگڑا ہو رہا تھا۔ بحث کے مقام پر دونوں فریقوں کے ہزارہا حامی موجود تھے۔ بالآخر باہم یہ طے پایا کہ تصفیہ کے لئے کسی تیسری جگہ جانا چاہیے اور صحیح مسلک معلوم کرنا چاہیے۔ دریں اثناء حضرت صاحبزادہ صاحب وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے جھگڑا سن کر کہا کہ یہیں پر کتابیں دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ صحیح راستہ کون سا ہے۔ جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے متنازع فیہ مسائل کے حل کے لئے بہت سی کتابوں کے حوالے پیش کئے لیکن پیر صاحب مانکی نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت صاحبزادہ صاحب کا دل پھر گیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ وہ صداقت کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوں گے۔ مجلس مباحثہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان مولویوں کو کشفاً بندروں کی شکل میں دیکھا تھا۔

انگریزی گورنمنٹ کو رپورٹ ملی کہ جھگڑا بڑھ گیا ہے، ہزاروں لوگ جمع ہیں اور فساد کا اندیشہ ہے تو اس نے حکم دے کر تمام مجمع منتشر کروا دیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب بھی واپس روانہ ہو گئے۔ پشاور میں آپ نے آنحضرت ﷺ کو رؤیا میں دیکھا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ یہ لوگ تو مبتدع ہیں ان کو یونہی کیوں چھوڑ کر آ گئے۔ اس پر حضرت صاحبزادہ صاحب واپس گئے اور ان کو یہ پیغام پہنچایا کہ میں تمہارے غلط عقائد اور تمہاری لمبی لمبی تسبیحوں سے بیزار ہوں۔ یہ پیغام دے کر واپس وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں جا بجا شیخان کے غلط عقائد کی تردید بیان کرتے رہے۔ بعض لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ کی باتیں تو درست ہیں لیکن شیخان اس علاقے میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں ان کی مخالفت کرنا خطرناک دشمنی مول لینا ہے لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے طریق پر جرأت سے قائم رہے۔

جب آپ وطن پہنچے تو شیخان کی تردید میں بہت کام کیا۔ اپنے شاگردوں کو متعلقہ مسائل لکھوا دیئے تا کہ وہ ضرورت پڑنے پر شیخان سے گفتگو کر سکیں اور ان کے غلط اور خلاف اسلام عقائد کا رد کر سکیں۔ شیخان آپ کے شاگردوں کو بہت تنگ کرتے تھے۔

پیر صاحب مانکی کا ایک شاگرد مولوی الہ دین ملا لنگ تھا جو خلاف قرآن وحدیث فتوے دینے میں پیش پیش تھا۔ اس کی رپورٹ امیر عبدالرحمن خان کو کی گئی تو اس نے اسے شریعت کے مطابق تصفیہ کرنے کے لئے کابل بلوایا لیکن اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ ایک مرتبہ مقامی حکام نے اسے گرفتار بھی کیا لیکن وہ دھوکہ دے کر فرار ہو گیا اور حکومت کابل سے باغیانہ زندگی گزارنے لگا۔

(قلمی مسودہ صفحہ ۷۸۔ شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اول صفحہ ۱ تا ۳۔
حصہ دوم صفحہ ۲، ۳، ۸ تا ۱۴)

(باقی آئندہ)

☆☆☆

حیاتِ جاوداں

قرب کا طالب رہا ، قربِ خدا کو پا لیا
بندۂ حق نے بسرعت مدعا کو پا لیا

زندگی کا لمحہ لمحہ وقف تھا جس کے لئے
جان کی بازی لگا کر اُس خدا کو پا لیا

زندگی تیری مثالی تھی ، مثالی موت بھی
دے کے سب کچھ اِک متاعِ بے بہا کو پا لیا

"موت کے پیالوں میں بٹتی ہے شرابِ زندگی"
تیرے آئینے میں اِس رازِ بقا کو پا لیا

زندگی کے جام تو نے چار سُو بانٹے ہمیش
مردہ روحوں نے حیاتِ جانفزا کو پا لیا

ابنِ مریم کو ملا تھا حق سے وہ دستِ شفا
جاں بہ لب لوگوں نے بھی جامِ شفا کو پالیا

کون کہتا ہے کہ تو موجود اب ہم میں نہیں
کام زندہ ہیں ترے ، تو نے بقا کو پا لیا

زندۂ جاوید آقا! رحمتیں تجھ پر مدام
جا کے بھی جانے نہ والے! برکتیں تجھ پر مدام

(مکرم عطاء المجیب راشد صاحب)

الکِندی ایک مسلمان فلسفی

(مکرم عبدالکبیر قمر صاحب۔ رچنا ٹاؤن لاہور)

الکندی کہتا ہے:۔

"عاقل ہمیشہ اپنی علمیت کو محدود سمجھتا ہے۔ اس لئے تواضع اختیار کرتا ہے اور جاہل خود کو تمام علوم کا مخزن جانتا ہے اس وجہ سے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں"۔

اس مسلمان عرب فلسفی کا پورا نام ابو یوسف یعقوب ابن اسحٰق الکندی ہے نسلاً جنوبی عرب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے فیلسوف العرب کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کی تعریف میں علمائے فرنگ رطب اللسان ہیں۔ علیوم کروانی اطالوی (وفات ۱۵۷۶ء) نے کندی کا شمار ان بارہ نامور افراد میں کیا ہے۔ جو علم وذکاوت کے لحاظ سے صف اوّل میں نظر آتے ہیں اور ابتدائے آفرینش سے لے کر سولہویں صدی تک دنیا ان کی مثال پیش نہ کرسکی۔ اس طرح روجر بیکن کندی کو علم مریات میں شہرت کے لحاظ سے طبقۂ اوّل میں سمجھتا ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں کندی کو ایک منجم کی حیثیت سے بھی شہرت حاصل تھی۔ اس کا نام علم نجوم کے نو حکموں (Judices) میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ علم طب، فلسفہ، حساب، منطق، موسیقی، ہندسہ اور طبائع اعداد میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔

حالات زندگی

کثیر علوم میں دسترس رکھنے والے کندی کے اخلاقی اور باطنی حالات کا کوئی ایسا خاکہ پیش نہیں کیا جاسکتا جو بالکل حقیقت کے مطابق ہو کیونکہ اس نے کوئی ایسی کتاب یا رسالہ نہیں چھوڑا جس سے اس کے حالات معلوم ہوسکیں۔ مورخین نے بھی جس قدر اس کے متعلق لکھا ہے بالکل سطحی ہے۔ تاہم ایک دقیق النظر محقق کو اس کی بعض تالیفات اور اقوال اور اس کے زمانے پر غور وخوض کرنے سے کسی قدر حالات سے واقفیت ہوسکتی ہے۔

مورخین عرب نے کندی کی ولادت اور وفات کی تاریخ کا تعین یقین کے ساتھ نہیں کیا ہے ان کی تمام کاوش سے صرف اس قدر واضح ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ تیسری صدی ھجری کا ہے البتہ مغرب کے دو علماء نے اس کے متعلق تحقیق کی ہے چنانچہ علامہ فلوگل کے خیال کے مطابق کندی دسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں گزرا ہے اور اس کا سنہ وفات ۸۶۱ء ہے اور علامہ ناجی ایطالی نے کندی کی وفات ۲۵۸ھ بمطابق ۸۷۳ء بتائی ہے۔

الکندی کی جائے پیدائش کوفہ ہے جہاں اس کا باپ تین خلفائے عباسیہ کے زمانے میں امیر رہا تھا۔ جب کندی سن شعور کو پہنچا تو خلفائے عباسیہ کے محل میں داخل ہوا اور اپنے باپ کی طرح تینوں خلفائے عباسیہ مامون، معتصم، متوکل کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کی خصوصاً مامون کی مصاحبت میں کندی خوش وخرم رہا۔ اس نے بصرہ اور بغداد میں بھی تعلیم حاصل کی۔ جو اس کے زمانے میں تعلیم کے بڑے مرکز تھے۔

خلفاء اور علماء کی مصاحبت نے اسے علمی ترقی دی اور اسے دربار میں ایک خاص مقام حاصل ہوگیا۔ اس نے یونانی اور سریانی زبانوں میں بھی کافی مہارت حاصل کرلی۔ اس بنا

پر اس کو یونانی اور سریانی زبانوں سے عربی میں مختلف علوم کے ترجمے کے کام کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس نے ارسطو کی کتابوں پر بہت زیادہ توجہ دی۔ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنی زندگی فلسفۂ ارسطو کی تدریس کے لیے وقف کردی اس کی شرح لکھی تعلیقات کا اضافہ کیا۔

یونانی فلسفے سے اس کے خیالات میں پختگی، ذہن میں جلا اور دائرہ افکار میں وسعت پیدا ہوئی۔ اس کی آزاد خیالی کے باعث اس پر الحاد کا الزام بھی لگا۔ متوکل نے اس کی کتابیں چھین لیں مگر یہ بات اس کے مقام کو کسی لحاظ سے بھی کم نہیں کرتی۔ تاریخ دان اسے پہلا مسلمان فلسفی بھی قرار دیتے ہیں۔

تالیفات

کندی کی تالیفات مختلف علوم مثلاً فلسفہ، سیاسیات، ارثماطیقی یعنی علم الحساب، علم کرویات، موسیقی، فلکیات، جغرافیہ، ہندسہ، نظام الکون، نجوم، طب، نفسیات پر مشتمل ہیں۔ اس نے اپنی کتابوں میں بالعموم ارسطو کا انداز اختیار کیا ہے زیادہ کتابیں بھی فلسفہ پر ہیں۔

اس کی تمام کتابوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تالیفات عقلیات ہی تک محدود تھیں اس نے دینی مسائل سے بہت کم بحث کی ہے۔ البتہ واجب الوجود (یعنی خدا کی ذات کو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ماننا مثلاً صفات الٰہیہ کا انکار) کے متعلق ایک خاص عقیدہ جو اس کے رسالہ توحید سے ماخوذ ہے اس کی شہرت کا باعث ہوا۔ کندی نے ایک مترجم کی حیثیت سے بھی اپنا لوہا منوایا اس نے اکثر فلسفے کی کتابوں کی شرح لکھی مشکل مقامات کی توضیح و تلخیص کی۔ پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا ہے جس سے اس کے ترجمے کی اعلیٰ استعداد کا پتا چلتا ہے۔

بہر حال کندی اپنے علم کی زیادتی، معلومات کی وسعت، اعلیٰ استعداد، تصانیف و تالیفات کی کثرت، ارسطو کی کتابوں کی تلاش اور ترجمے کے لحاظ سے تمام اہل عرب میں ممتاز تھا اس کے باوجود بعض مورخین اسے صحیح معنوں میں عبقری (Genius) نہیں کہتے کیونکہ اس کا کوئی مخصوص فلسفہ نہ تھا بلکہ وہ صرف ایک مصنف تھا جو بعض کتب کی شروح اور تالیفات کے ذریعہ علم کی اشاعت کرتا تھا۔ بہر حال وہ بہت سی صلاحیتوں کا جامع عالم تھا گو وہ ذکائے انسانی کی انتہا تک نہ پہنچ سکا لیکن ہم اس کو علمائے متوسطین کے زمرے میں بھی داخل نہیں کرسکتے۔ اس کی طب اور ریاضیات خرافات تلبیسات سے محفوظ ہیں۔

کندی کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو سونا بنانے کے لیے کیمیا سیکھنے سے منع کیا اور اس شغل کی بہت مذمت کی اور کہا کہ یہ محض عبث بلکہ عمر و دولت اور عقل کو ضائع کرتا ہے۔

کندی کو جو کتابیں دستیاب ہوچکی ہیں ان میں سے حسب ذیل کتابوں کی صراحت کی گئی ہے اس نے ۲۲ رسائل فلسفہ، ۱۹ رسائل نجوم، ۱۶ رسائل علم ہیت، ۱۷ رسائل علم مناظرہ، ۱۱ رسائل حساب، ۲۳ رسائل علم ہندسہ، ۲۲ رسائل علم طب، ۱۲ رسائل طبیعات، ۷ رسائل علم موسیقی، ۵ رسائل نفس اور ۹ رسائل منطق وغیرہ لکھے تھے۔

لیکن تا حال جو کتابیں مطبوعہ یا قلمی صورت میں موجود ہیں وہ صرف آٹھ ہیں۔

۱۔ کتاب فی الالٰہیات ارسطو او رکلام فی الربوبیۃ

۲۔ رسالہ فی الموسیقی

۳۔ رسالہ فی المعرفۃ قوی الادویہ المرکبہ

۴۔رسالہ فی المد والجزر
۵۔علۃ اللون الازوردی یری فی الجو
۶۔ذات الشعبتین
۷۔اختیارات الایام
۸۔مقالہ تحاویل السنین

بعض اقوال

''طبیب کو چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور مریض کی جان کو خطرے میں نہ ڈالے کیونکہ اس کا کوئی بدل ممکن نہیں''۔

''جس طرح تم یہ کہنا پسند کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ مریض کی صحت وعافیت کا سبب ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اس کی موت کا بھی وہی سبب ہے''۔

''قول لا یعنی نہیں بلاؤں کو پھیر دیتا ہے اور قول نعم یعنی ہاں نعمتوں کو زائل کر دیتا ہے۔گانا سننا گویا سرسام کی بیماری ہے کیونکہ انسان اس کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور بے دریغ پیسہ صرف کرتا ہے اور چند روز میں مفلس اور قلاش ہو کر انتہائی رنج ومصیبت میں جان دیتا ہے''۔

مأخذ

۱۔تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق المغرب از محمد لطفی جمعہ قاہرہ ۱۹۲۷ء
۲۔تراث العرب العلمی از قدری حافظ طوقان قاہرہ ۱۹۶۳ء
۳۔الکندی، فیلسوف العرب از احمد فواد الاھوانی قاہرہ
۴۔من تاریخ الفکر العربی الی ایام ابن خلدون بیروت ۱۳۹۲ھ

☆☆☆

وقف کرنا جاں کا ہے، ہاں واقعی کسبِ کمال

شدت گرمی میں یہ رونق ہے کیسی شہر میں
اجنبی چہرے ہیں ڈوبے عزمِ نو کی لہر میں
اشتیاق آنکھوں میں اور اک عزم چہروں پہ عیاں
گھومتے پھرتے ہیں ربوہ میں یہ گرمی میں کہاں

ہر برس ہو ان دنوں جب جامعہ کا داخلہ
وقف کا جذبہ لیے آتا ہے یاں یہ قافلہ
شہروں اور دیہات سے سب اپنے اپنے رنگ میں
آئے ہیں شامل ہوں تا یہ دین کے آہنگ میں

خوش نصیبی اُن کی جو کہ ہوگئے ہیں کامیاب
اور کچھ واپس ہوئے لے کر ارادوں کا ثواب
جامعہ میں داخلے کے ساتھ ہی بدلا سماں
جوہرِ مخفی سبھی ہونے لگے ان کے عیاں

دین کے، ایمان کے، سب ذائقے ملنے لگے
غنچے جو آئے تھے گلشن میں وہ اب کھلنے لگے
گلشنِ علم و ہنر میں رہ کے پورے سات سال
دھوپ چھاؤں میں نکھر کر، ہو کے باوصف و کمال

پھر تو گلزارِ جہاں میں یہ چلے جاتے ہیں پھول
خود مہکتے اور زمانے بھر کو مہکاتے ہیں پھول
ہوگئے جب ماہِ نو سے یہ بدل کر ماہتاب
پورے کتنی ماؤں بہنوں کے ہوئے ہیں ان سے خواب

"وقف کرنا جاں کا ہے، ہاں واقعی کسبِ کمال
جو ہو صادق وقف میں بے لاجرم وہ بے مثال"

(مکرم ضیاء اللہ مبشر صاحب)

چشمۂ مسیحی

(مکرم عبدالحق بدر صاحب)

اس ماہ خدام کے مطالعہ کے لئے کتاب چشمۂ مسیحی مقرر کی گئی ہے۔

یہ کتاب مارچ 1906ء کی تصنیف ہے اور روحانی خزائن جلد نمبر 20 میں 60 صفحات پر مشتمل ہے۔

بانس بریلی (بھارت کے صوبہ اتر پردیش کا ایک شہر) کے ایک ناواقف مسلمان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اس نے عیسائی پادری کی کتاب ''ینابیع الاسلام'' سے متاثر ہوکر اسلام پر اپنے شک کا اظہار کیا تھا۔ حضرت اقدس نے اس خط کے جواب میں چشمۂ مسیحی کے نام سے یہ لطیف تصنیف فرمائی۔

''ینابیع الاسلام'' کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کوئی نئی تعلیم نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے (نعوذباللہ) گذشتہ انبیاء کی کتب مقدسہ سے سرقہ کر کے قرآن کریم کو مرتب کیا ہے۔

حضور علیہ السلام نے جواباً اس میں یہودی علماء کے حوالوں سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ انجیل لفظ بلفظ طالمود سے نقل ہے۔ ایک ہندو نے یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل بدھ کی تعلیم کا سرقہ ہے اور خود یورپ کے محققین نے لکھا ہے کہ انجیل کی بہت سی عبارتیں اور تمثیلیں یوز آسف کے صحیفہ سے ملتی ہیں تو کیا اب مسیح کی تعلیم کو بھی مسروقہ قرار دیا جائے گا۔

حضورؑ نے لکھا کہ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کا اگر کوئی حصہ قدیم نوشتوں سے ملتا ہے تو یہ وحی الٰہی میں توارد ہے ورنہ آنحضرت ﷺ تو محض اُمی تھے اور عربی بھی نہیں پڑھ سکتے تھے چہ جائیکہ عبرانی یا یونانی۔ قرآن کریم ایک زندہ معجزہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس میں جو گذشتہ خبریں اور قصے ہیں وہ بھی اپنے اندر پیشگوئیوں کا رنگ رکھتے ہیں۔ اور پھر اس کی فصاحت و بلاغت بھی ایسا معجزہ ہے کہ آج تک کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکا۔

بعد ازاں حضور علیہ السلام نے موجودہ عیسائیت کے عقائد تثلیث، الوہیت مسیح، کفارہ وغیرہ کا رد پیش کیا ہے اور اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات دربارہ عفو وانتقام کا موازنہ پیش فرمایا ہے۔ کتاب کے خاتمہ کے طور پر ایک رسالہ 'رسالہ نجات حقیقی' کے نام سے شامل ہے جس میں حضورؑ نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک نجات کے معانی یہ ہیں کہ انسان گناہ کے مواخذہ سے رہائی پا جائے۔ یہ محدود اور منفی معانی ہیں۔ نجات دراصل اس دائمی خوشحالی کے حصول کا نام ہے جو خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ عیسائیت کے عقائد تثلیث اور الوہیت مسیح معرفت حقیقی کے خلاف ہیں۔

علاوہ ازیں اس کتاب کے آخر میں حضورؑ نے اسلام کی

فضیلت پر نہایت عمدہ پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

”ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے سید و مولیٰ (اس پر ہزار سلام) اپنے افاضہ کی رُو سے تمام انبیاء سے سبقت لے گئے ہیں کیونکہ گذشتہ نبیوں کا افاضہ ایک حد تک آ کر ختم ہو گیا اور اب وہ قوم اور وہ مذہب مُردے ہیں۔کوئی اُن میں زندگی نہیں مگر آنحضرت ﷺ کا روحانی فیضان قیامت تک جاری ہے۔ اس لئے باوجود آپؐ کے اس فیضان کے اس اُمت کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی مسیح باہر سے آوے بلکہ آپؐ کے سایہ میں پرورش پانا ایک ادنیٰ انسان کو مسیح بنا سکتا ہے“۔

(چشمۂ مسیحی روحانی خزائن جلد نمبر 20 صفحہ 389)

مشکل الفاظ کے معانی

سرقہ	چوری
زجر	ڈانٹ ڈپٹ، لعنت ملامت
تحریف	الفاظ کے ہیر پھیر سے اصل حالت بدل دینا
طالمود	یہودی روایات کا مجموعہ
تبر	کلہاڑی۔ ہتھیار
مع جسم عنصری	مادی جسم کے ساتھ
کابوس	ایک مرض کا نام ہے
استبعادِ عقلی	بعید از عقل
پیدا کنندہ	پیدا کرنے والا
دَیا لو	ہندی لفظ۔ مہربان۔ رحیم
نیا کاری	مُنصف۔ عادل۔ منطقی۔ ہندی لفظ
مکتی	نجات
دُغدغہ	اندیشہ۔ ڈر
افاضہ	فیض رسانی

اعلان ہائے ولادت

☆ مکرم افتخار اللہ سیال صاحب انچارج شعبہ کمپیوٹر تحریک جدید و معاون صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مورخہ 22 مارچ 2003ء کو پہلی بیٹی سے نوازا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بچی کا نام ”بریرہ مریم“ عطا فرمایا۔ بچی وقفِ نو کی مبارک تحریک میں شامل ہے۔ نومولودہ مکرم چوہدری سمیع اللہ سیال صاحب وکیل الزراعت تحریک جدید کی پوتی مکرم حافظ مبین الحق شمس صاحب مرحوم مرتب احمدی جنتری کی نواسی اور مکرم فخر الحق شمس صاحب مربی سلسلہ کی بھانجی ہے۔ نومولودہ کے نیک، خادمہ دین اور لمبی عمر پانے کے لئے احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے۔

☆ مکرم امین الرحمٰن صاحب مہتمم تحریک جدید مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مورخہ 5 جون 2003ء کو ایک بیٹی کے بعد پہلے بیٹے سے نوازا ہے۔ جس کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ”ندیم الرحمٰن“ عطا فرمایا ہے۔ نومولود چوہدری منیر احمد صاحب آف راولپنڈی کا پوتا اور مکرم مطیع الرحمٰن صاحب آف راولپنڈی کا نواسہ ہے۔ بچہ ”وقفِ نو“ کی بابرکت تحریک میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ بچے کو لمبی صحت والی فعال زندگی عطا فرمائے اور نیک خادم دین بنائے۔

سانحہ ارتحال

مکرم ماجد محمود صاحب ابن چوہدری منظور احمد وڑائچ صاحب قائد مجلس چک نمبر 216/E.B برین ہیمبرج کی وجہ سے مورخہ 26 مئی 2003ء کو بعمر 19 سال وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

27 مئی کو مکرم منور احمد قمر صاحب مربی سلسلہ ضلع وہاڑی نے ان کا جنازہ پڑھایا اور بعد از تدفین مکرم مربی صاحب ضلع نے ہی دعا کروائی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت کا سلوک فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

• •

اور (بیوت الذکر) میں زیادہ سے زیادہ جائیں اور (بیوت الذکر) کو آباد کریں تا کہ احمدیت کی فتح کے نظارے جو دعاؤں کے طفیل ہمیں انشاء اللہ ملنے ہیں، وہ ہم جلدی دیکھیں۔

ایک اور بات یہ ہے کہ یہاں پروگرام میں آپ نے سنا۔ (وہاں شائد بچوں کو زیادہ سمجھ نہ آئی ہو کیونکہ انگلش میں تھا) حضرت مصلح موعود کی خواہش تھی کہ میں نے رویا میں دیکھا تھا۔ ربوہ کی زمین کے متعلق کہ باقی جگہ تو یہی لگتی ہے لیکن یہاں سبزہ نہیں ہے، Greenery نہیں ہے۔ وہ امید ہے انشاء اللہ ہو جائے گی۔ حضرت مصلح موعود نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بارے میں ربوہ کے لوگ بہت کوشش کر رہے ہیں۔ خاص طور پر اطفال اور خدام نے بہت کوشش کی ہے۔ انہوں نے وقار عمل کر کے، ربوہ کو آباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ لوگ آ کے حیران ہوتے ہیں۔ آپ جیسی چھوٹی عمر کے بچوں نے وقار عمل کر کے وہاں پودے لگائے اور ان کو سنبھالا ہے۔ تو اب میری بچوں سے یہی درخواست ہے یہی میں کہوں گا یہی نصیحت ہے کہ جو پودے آپ نے لگائے ہیں ان کی حفاظت کریں اور مزید پودے لگائیں۔ درخت لگائیں، پھولوں کی کیاریاں بنائیں اور ربوہ کو اس طرح سرسبز اور Lush Green (شاداب) کر دیں جس طرح حضرت مصلح موعود کی خواہش تھی۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں ان پر عمل کریں ایک تو یہ کہ ربوہ کے ماحول کو سرسبز کریں گے تو ماحول پر ایک خوشگوار اثر ہو گا۔ عمومی طور پر لوگوں کی توجہ ہو گی اور ایک نمونہ نظر آئے گا کہ یہاں کے بچے اور بڑے محنت سے اس شہر کو آباد کر رہے ہیں جبکہ پاکستان میں باقی جگہوں پہ جب تک حکومت نہ مدد کرے کوئی اتنا سبزہ نہیں کر سکتا بلکہ باوجود مدد کے بھی نہیں کر سکتا۔

تو ربوہ کے بچوں کے لئے میری یہی نصیحت ہے کہ تین باتیں میں نے کہی ہیں۔ ایک سلام کو رواج دیں، ایک (بیوت الذکر) میں زیادہ جائیں اور اپنے بڑوں کو بھی لے کر جائیں۔ تیسری بات ربوہ میں مزید پودے لگائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی بھی خواہش تھی کہ ربوہ میں ہر گھر تین پھلدار پودے لگائے تو حضورؒ کی اس خواہش پہ بھی عمل ہونا چاہیے اور اس کے علاوہ گھروں سے باہر بھی حضرت مصلح موعود کی خواہش پر بھی عمل کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ربوہ کو سرسبز بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جزاکم اللہ

(بشکریہ الفضل ربوہ 10 جون 2003ء)

☆☆☆

برفانی چوٹیوں کے دامن میں

خوبصورت وادئ نلتر

(مکرم سیف الرحمن سیفی صاحب۔ ربوہ)

حسب سابق اس سال بھی گرمی کا موسم آتے ہی پہاڑوں پر جانے کو دل مچلنے لگا۔ خاکسار اور میرے مخلص دوست مکرم اعجاز احمد صاحب نے جو تقریباً ہر سال میرے شریک سفر رہے ہیں پروگرام بنایا کہ اس دفعہ وادئ نلتر کی سیاحت کی جائے چونکہ اس وادی کے بارے میں ہم بہت سی سحر انگیز معلومات حاصل کر چکے تھے۔

قراقرم کے پہاڑوں میں پوشیدہ، بظاہر نگاہوں سے اوجھل مگر سرسبز وشاداب، برفانی چوٹیوں سے گھری ہوئی، پائن، سپروس، برچ اور جونیپر کے درختوں کی دولت سے مالا مال، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے اور سبز گھاس پر جگہ جگہ بھیڑ بکریوں کے غول، یہ وادی نلتر ہے جو کہ گلگت سے شمال میں قریباً 42 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ انیس کلومیٹر لمبی یہ وادی جو کہ سطح سمندر سے 2880 میٹر بلند ہے گرمیوں کے موسم میں ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔ وادی نلتر دو طویل ٹریکس کا نقطہ آغاز ہے یعنی اشکومان کی طرف براستہ نلتر پاس 4600 میٹر اور چاٹ کی طرف براستہ دیانتر پاس 4636 میٹر۔ ان ٹریکس پر جانے کیلئے ضروری ہے کہ آپ کے پاس مکمل سامان ہو۔

نلتر جانے کے لئے دریائے ہنزہ کے غربی کنارے پر نومل تک سفر کرنا پڑتا ہے۔ نومل تک پختہ سڑک ہے جبکہ نومل سے آگے کچا جیپ کا راستہ ہے۔ نومل ایک چھوٹا قصبہ ہے جو کہ گلگت سے قریباً ایک گھنٹے کا سفر ہے۔ یہاں پر ضروریات زندگی کی تمام اشیاء دستیاب ہیں۔ نومل ایک سرسبز وشاداب قصبہ ہے اور دریائے ہنزہ کے کنارے ایک خوبصورت منظر پیش کرتا ہے۔ نومل تک پبلک بس میں سفر کیا جاسکتا ہے اور اس سے آگے جانے کیلئے سستے داموں جیپ حاصل کی جاسکتی ہے یا آپ پیدل ہی (اگر آپ ٹریکنگ کا شوق رکھتے ہیں) چھ گھنٹوں میں نلتر پہنچ سکتے ہیں لیکن پیدل چلنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ مکمل طور پر فٹ ہوں۔ جونہی آپ نلتر کی وادی میں قدم رکھیں گے، وادی کا قدرتی حسن اور خوبصورتی آپ کا دل موہ لے گی اور آپ اپنی تھکاوٹ کو یکسر فراموش کردیں گے۔

آب وہوا

سمندر سے کافی بلند ہونے کی وجہ سے وادی نلتر کا مزاج سرد ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو گرمیوں کے موسم میں بھی گرم کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نلتر میں سالانہ تقریباً 410 ملی میٹر بارش ہوتی ہے جو کہ گلگت کی نسبت 3 گنا زیادہ ہے۔ اس وجہ سے یہاں لکڑی کی فراوانی ہے جو کہ قدرت کی طرف سے انمول تحفہ ہے۔ سردیوں میں یہ وادی مکمل طور پر برف سے ڈھکی ہوتی ہے۔ چنانچہ زیادہ تر لوگ نچلے علاقوں میں آجاتے ہیں۔

لوگ اور پیشے

وادئ نلتر کے لوگ تندرست اور توانا اور مہمان نواز ہیں۔

اس علاقے کے لوگوں کا زیادہ تر پیشہ گلہ بانی ہے اور یہی ان کی گذر اوقات کا ذریعہ ہے لیکن اب آہستہ آہستہ تعلیم کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا ہے اور یہ علاقہ بتدریج ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔

قابلِ دید مقامات

یوں تو تمام تر وادی ہی قدرت کی رعنائیوں سے بھرپور ہے لیکن اس وادی میں ملتر جھیل ذہنوں پر انمٹ اور خوشگوار اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ جھیل ملتر بالا سے تقریباً 4 گھنٹے پیدل یعنی قریباً 11 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یوں تو جھیل تک جیپ پر بھی پہنچا جا سکتا ہے مگر پیدل جانے کا الگ ہی لطف ہے کیونکہ راستے میں پائن کے درختوں کے بیچوں بیچ گزرتے ہوئے بہت بھلا محسوس ہوتا ہے۔ ملتر بالا سے جھیل کی طرف جاتے ہوئے راستے میں جگہ جگہ مویشی چرانے والوں کی جھونپڑیاں دکھائی دیتی ہیں جو کہ گرمیوں میں مویشی لے کر یہاں آ جاتے ہیں۔ اس علاقے میں برچ کا درخت ہے جس کی چھال بطور Wrapping paper استعمال کی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ اس چھال میں مکھن لپیٹ کر زمین میں محفوظ کرتے ہیں۔ جب آپ جھیل پر پہنچتے ہیں تو اس جھیل کا گہرا سبز رنگ آپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائے گا۔ اس جھیل کا رنگ گہرا سبز ہے مگر بعض جگہوں پر ہلکی سی نیلاہٹ لیے ہوئے ہے۔ یہ رنگوں کا امتزاج آنکھوں کو بہت بھلا محسوس ہوتا ہے۔ پہاڑوں میں گھری ہوئی یہ جھیل ملتر جانے والوں کے لئے ایک تحفہ ہے۔ اگر آپ ملتر جائیں تو اس کی حسین یادیں تادیر آپ کے ذہنوں میں نقش رہیں گی۔

☆☆☆

توجہ فرمائیں

تمام قائدین/ناظمین مال علاقہ، ضلع اور مجالس توجہ فرمائیں کہ مقابلہ بین العلاقہ و اضلاع اور مجالس (خلافت جوبلی علم انعامی) میں شامل ہونے کے لئے 31/8/03 تک اپنے بجٹ کے حصہ مرکز کی ادائیگی 100% کر دیں۔

علاقہ جات اور اضلاع کے لئے ضروری ہے کہ ان کی تمام مجالس 100% ادائیگی حصہ مرکز کر چکی ہوں۔

نوٹ

تمام مقابلہ جات میں شامل ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ 100% خدام کے بجٹس برائے سال 2003-04، 31 اگست سے قبل مرکز پہنچ چکے ہوں۔

مہتمم مال

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

☆☆☆

قسط سوم و آخر

تیسری عالمی ایٹمی جنگ

ازروئے قرآنِ کریم و کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(مکرم ساجد محمود بٹر صاحب۔ کرتو ضلع شیخوپورہ)

پیشگوئی نمبر ۹

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی ۝ یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی ۝

(النازعات: ۳۵۔۳۷)

"پس جب وہ بڑی آفت آئے گی۔ جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور جہنم اس کے لئے جو اسے (عقل کی آنکھ سے) دیکھے گا ظاہر کر دی جائے گی"۔

ان آیات میں بھی ایٹمی جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

الطَّآمَّۃُ سخت مصیبت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اقرب میں لکھا ہے:۔

"طَآمَّۃ اس سخت مصیبت کو کہتے ہیں جو باقی تمام مصیبتوں پر غالب آ جائے اور جس کی وجہ سے اور تمام مصیبتیں انسان کو بھول جائیں"۔

(اقرب الموارد۔ بحوالہ تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۱۳۵)

لیکن آیت میں صرف طَآمَّۃ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ فرمایا ہے "الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی"۔ کبریٰ کہہ کر اس کے عذاب اور شدت میں اضافہ فرمایا ہے۔

یعنی ایک وقت انسان پر ایسا آئے گا جب "الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی" جیسی سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اگلی آیات میں "الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی" کی علامات بتا دیں۔ فرمایا:۔

یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی

یعنی "الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی" کی علامت یہ ہے کہ اس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا۔ چنانچہ جب ایٹم بم کا دھماکہ کیا گیا ہے تو بے اختیار دھماکہ کرنے والوں کے منہ سے یہ فقرہ نکلا ہے۔

"My God, what have we done?

(Greatevents of the 20th century By Richard Marschall.)

یہ اس آیت کی صداقت کی کھلی کھلی دلیل ہے۔

اس کے علاوہ یہاں صرف انسان نہیں لکھا گیا بلکہ "الانسان" فرمایا ہے جس سے مراد خاص انسانوں کا گروہ ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایٹم بم کے نتیجے میں جو مر جائیں گے وہ تو اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکیں گے لیکن جو بچ جائیں گے یا جو آئندہ آنے والی نسلیں ہوں گی۔ وہ جب اس بم کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں کو سنیں گے اور پڑھیں گے تو بڑے افسوس سے اس واقعہ کو یاد کریں گے کہ کاش انسان ان چیزوں کو ایجاد نہ کرتا یا پھر ان کا غلط استعمال نہ کرتا جس کے نتیجے میں یہ ہولناک تباہی وقوع پذیر ہوئی۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی۔ یہاں خدا تعالیٰ نے بُرِّزَتِ النَّارُ نہیں فرمایا۔ وجہ یہ کہ "النَّارُ"

اور ''اَلْجَحِیْمُ'' میں بہت زیادہ فرق ہے۔ ''اَلنَّار'' عام آگ کو کہتے ہیں جب کہ ''اَلْجَحِیْمُ'' سخت بھڑکنے والی آگ کو کہتے ہیں۔ **(اقرب الموارد)**

چنانچہ جب ہیروشیما پر ایٹم بم پھینکا گیا ہے تو اس وقت درجہ حرارت ۱۸۰ ملین ڈگری سینٹی گریڈ تھا (مغربی میڈیا کا اسلامی بم صفحہ ۲۷۴) جو صرف چند لمحے کے لئے تھا اور یہ درجہ حرارت سورج کی حرارت کا دس گنا ہے۔ پس اَلْجَحِیْمُ کا زندہ جاوید ثبوت ایٹم بم کی آگ ہی ہے جو سخت بھڑکنے والی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک ذوقی نکتہ یہ ہے کہ ''طَآمَّة'' میں ''مد'' اور ''شد'' ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تکلیف یا عذاب بڑا سخت ہوگا اور اس کا اثر بھی دیرپا ہوگا۔ چنانچہ کئی دہائیوں تک اس کے تلخ آثار کا جاپانی نسل نشانہ بنی ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تیسری عالمگیر ایٹمی جنگ کے متعلق بکثرت پیشگوئیاں کی ہیں اس وقت ان میں سے صرف چند ایک یہاں درج کرتا ہوں:-

پیشگوئیاں از حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے الہام کیا:-

''بھونچال آیا اور شدت سے آیا۔ زمین تہ وبالا کر دی۔ ''یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ وَتَرَی الْاَرْضَ یَوْمَئِذٍ خَامِدَۃً مُّصْفَرَّۃً۔ اُکْرِمُکَ بَعْدَ تَوْھِیْنِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ لَّا یَتِمَّ اَمْرُکَ...... اِنِّیْ اَنَا الرَّحْمٰنُ سَاَجْعَلُ لَکَ سُھُوْلَۃً فِیْ کُلِّ اَمْرٍ۔ اُرِیْکَ بَرَکَاتٍ مِّنْ کُلِّ طَرَفٍ''۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۹۸)

ان الہامات کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

''اس دن آسمان سے ایک کھلا کھلا دھواں نازل ہوگا اور اس دن زمین زرد پڑ جائے گی۔ یعنی سخت قحط کے آثار ظاہر ہونگے۔ میں بعد اس کے جو مخالف تیری توہین کریں تجھے عزت دوں گا اور تیرا اکرام کروں گا۔ وہ ارادہ کریں گے جو تیرا کام ناتمام رہے اور خدا نہیں چاہتا جو تجھے چھوڑ دے جب تک تیرے تمام کام پورے نہ کرے۔ میں رحمٰن ہوں ہر ایک امر میں تجھے سہولت دوں گا ہر ایک طرف سے تجھے برکتیں دکھلاؤں گا''۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۹۸)

ایک اور جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

''سو اے سننے والو! تم سب یاد رکھو کہ اگر یہ پیشگوئیاں صرف معمولی طور پر ظہور میں آئیں تو سمجھ لو کہ میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں لیکن اگر ان پیشگوئیوں نے اپنے پورے ہونے کے وقت دنیا میں ایک تہلکہ برپا کر دیا اور شدت گھبراہٹ سے دیوانہ سا بنا دیا اور اکثر مقامات میں عمارتوں اور جانوں کو نقصان پہنچایا تو تم اس خدا سے ڈرو جس نے میرے لئے یہ سب کچھ کر دکھایا''۔ (تجلیات الٰہیہ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۹۶)

پھر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

تم نہیں لوہے کے کیوں ڈرتے نہیں اُس وقت سے
جس سے پڑ جائے گی اِک دم میں پہاڑوں میں بُخار
وہ تباہی آئے گی شہروں پہ اور دیہات پر
جس کی دنیا میں نہیں ہے مثل کوئی زینہار
ایک دم میں غمکدے ہوجائیں گے عشرت کدے
شادیاں کرتے تھے جو پیٹیں گے ہو کر سوگوار

وہ جو تھے اونچے محل اور وہ جو تھے قصرِ بریں
پست ہو جائیں گے جیسے پست ہو اِک جائے غار
ایک ہی گردش سے گھر ہو جائیں گے مٹی کا ڈھیر
جس قدر جانیں تلف ہوں گی نہیں ان کا شمار
پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے ڈر نہیں
اُن کو جو جُھکتے ہیں اس درگہ پہ ہو کر خاکسار
آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

(درثمین صفحہ ۱۵۳،۱۵۴)

اس نظم کے حاشیہ میں حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"یاد رہے کہ جس عذاب کے لئے یہ پیشگوئی ہے اُس عذاب کو خدا تعالیٰ نے بار بار زلزلہ کے لفظ سے بیان کیا ہے اگرچہ بظاہر وہ زلزلہ ہے اور ظاہر الفاظ یہی بتاتے ہیں کہ وہ زلزلہ ہی ہوگا لیکن چونکہ عادتِ الٰہی میں استعارات بھی داخل ہیں اس لئے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ غالباً تو وہ زلزلہ ہے ورنہ کوئی اور جانگداز اور فوق العادت عذاب ہے جو زلزلہ کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔"

(درثمین صفحہ ۱۵۴، حاشیہ)

پھر فرمایا:-

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے اَمن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا...... اے یورپ! تو بھی اَمن میں نہیں اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں"۔

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۶۸،۲۶۹)

دنیا کے دانشوروں اور مدبروں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اس خیال کا حامی ہے کہ اگر تیسری عالمگیر ایٹمی جنگ چھڑ گئی تو بنی نوع انسان کا اس خطۂ ارض سے خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسے خطرناک، مہلک اور سریع الاثر ہتھیار ایجاد ہو چکے ہیں کہ ان کے استعمال سے چند لمحوں میں ہر ذی روح رختِ سفر باندھ لے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کے ساتھ احمدیت کا غلبہ وابستہ ہے۔ جیسا کہ اوپر کی پیشگوئیوں سے ظاہر ہے بیشک یہ جنگ اپنے ساتھ تباہ کاریوں اور ہولناکیوں کے لشکروں کے لشکر لے کر آئے گی لیکن پھر بھی تمام بنی نوع انسان کو ہلاک نہیں کر سکتی۔ عیسائیت اس تیسرے زوردار جھٹکے کے نتیجے میں پاش پاش ہو جائے گی اور پھر احمدیت یعنی حقیقی (دین حق) کے غلبہ کی ابتداء پوری آب و تاب سے اپنے اندر درخشندہ پہلو لئے صفحۂ زمین پر رونما ہوگی اور پھر یہ غلبہ تا قیامت رہے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس ضمن میں فرماتے ہیں:-

"جس قدر خدا نے تباہی کا ارادہ کیا ہے وہ پورا ہو چکے گا۔ تب خدا کا رحم پھر جوش مارے گا اور پھر غیر معمولی اور دہشتناک زلزلوں کا ایک مدت تک خاتمہ ہو جائے گا...... اور جیسا کہ نوحؑ کے وقت میں ہوا کہ ایک خلق کثیر کی موت کے بعد اَمن کا زمانہ بخشا گیا ایسا ہی اس جگہ بھی ہوگا"۔

(تجلیات الٰہیہ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۹۹)

پھر فرمایا:-

''نہ بت رہیں گے نہ صلیب رہے گی اور سمجھدار دلوں پر سے ان کی عظمت اُٹھ جائے گی اور یہ سب باتیں باطل دکھائی دیں گی اور سچے خدا کا پھر چہرہ نمایاں ہوجائے گا.....خدا اپنے بزرگ نشانوں کے ساتھ اور اپنے نہایت پاک معارف کے ساتھ اور نہایت قوی دلائل کے ساتھ دلوں کو (دین حق) کی طرف پھیر دے گا اور وہی منکر رہ جائیں گے جن کے دل مسخ شدہ ہیں۔

خدا ایک ہوا چلائے گا جس طرح موسم بہار کی ہوا چلتی ہے اور ایک روحانیت آسمان سے نازل ہوگی اور مختلف بلاد اور ممالک میں بہت جلد پھیل جائے گی اور جس طرح بجلی مشرق اور مغرب میں اپنی چمک ظاہر کردیتی ہے ایسا ہی اس روحانیت کے ظہور کے وقت ہوگا۔ تب جو نہیں دیکھتے تھے وہ دیکھیں گے اور جو نہیں سمجھتے تھے وہ سمجھیں گے اور امن اور سلامتی کے ساتھ راستی پھیل جائے گی''۔

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ حاشیہ صفحہ ۳۱۴،۳۱۱)

المراجع والمصادر

☆۔ کھنڈ سے چاٹی تک از لقمان اللہ خان
طبع اول مئی ۱۹۹۹ء پرنٹرز: گنج شکر لاہور۔ مہتمم طباعت: فضل قادر فضلی

☆۔ مغربی میڈیا کا اسلامی بم از محمد اسلم ڈوگر
اشاعت دوم دسمبر ۱۹۹۷ء ناشر: امجد رؤف خان مطبع: اللہ والا پرنٹرز دی مال روڈ۔

☆۔ مضمون "عالمگیر ایٹمی جنگ اس کے نتائج اور انجام کے بارہ میں حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں"۔ مضمون نگار: سید میر مسعود احمد ربوہ۔ الفضل انٹرنیشنل یکم جنوری تا ۷ جنوری ۱۹۹۹ء

☆۔ ''جہان لوح وقلم'' مصنف: قمر اجنالوی
ناشر: عبدالحفیظ قریشی۔ سن اشاعت ۱۹۹۳ء

اعلان داخلہ مدرسۃ الظفر وقف جدید

امسال معلمین وقف جدید کی کلاس ستمبر 2003ء میں شروع ہوگی۔ ایسے احمدی نوجوان جو میٹرک کا امتحان دے چکے ہیں اور خدمت دین کا جوش اور جذبہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی بطور معلم وقف جدید وقف کریں اور اپنا رزلٹ آنے تک اس سلسلہ میں اپنی تیاری کریں۔ قرآن کریم ناظرہ تلفظ کے ساتھ۔ نماز ناظرہ وباترجمہ۔ عام دینی معلومات اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مطالعہ جاری رکھیں۔

اپنی درخواست مندرجہ ذیل کوائف کے ساتھ صدر صاحب مقامی کی تصدیق سے ناظم ارشاد وقف جدید کے نام ارسال کریں۔ نتیجہ نکلنے پر حاصل کردہ نمبروں سے دفتر کو آگاہ فرمائیں۔ انٹرویو کی تاریخ 18 اگست 2003ء ہے۔ بروقت دفتر وقف جدید میں تشریف لائیں۔

نام۔ ولدیت۔ مکمل پتہ۔ تعلیم۔

(ناظم ارشاد وقف جدید)

☆ _ "The great events of the 20th Century"
By Richard Marschall
Printed in Hong Kong by Bright Sun Printing press co. Ltd.

☆۔ ''روس میں انقلابات'' مصنف: محمد اسماعیل منیر صاحب
ناشر: لاہور آرٹ پریس ۱۵ انارکلی لاہور

☆۔ ''گذشتہ وموجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں'' از جلال الدین شمس صاحب۔ ناشر: مکتبہ احمدیہ قادیان

☆۔ ''حضرت مسیح موعودؑ کی دو اہم پیشگوئیاں'' مصنف: پروفیسر بشارت الرحمن صاحب ایم۔اے۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

☆ ☆ ☆

جان و دل ہو فدا اِس وطن کے لیے

(مکرم عبدالصمد قریشی صاحب۔ ربوہ)

یہ میرا دیس ہے یہ حسیں گُلستاں
میرے خوابوں کی جنت حسیں دِلستاں

جان و دل ہو فدا اس وطن کے لئے
میرا تن ، میرا من اس چمن کے لئے

مشکلوں سے بہت ہم نے پایا اسے
خونِ دل سے تھا ہم نے سجایا اسے

اس گلستاں کی خاطر کئی سر کٹے
اس کی عظمت پہ کتنے جواں مر مٹے

کتنے معصوم سے پھول کچلے گئے
کتنے غنچے کھلے بن ہی مسلے گئے

ہم نے چاہا تھا اس کو سنواریں گے ہم
بام و در اس کے مل کر نکھاریں گے ہم

دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہوگیا
میرے گلشن پہ دورِ خزاں چھا گیا

جانے کیا ہوگیا رنگ مٹنے لگے
کس کی نظریں لگیں لوگ بٹنے لگے

آندھیاں نفرتوں کی یاں چلنے لگیں
بدلیاں قہر کی یاں برسنے لگیں

وہ بہاریں وہ خوشبو سمٹنے لگی
ہر کلی گلستاں کی یاں لٹنے لگی

ساز کے تار جانے کہاں کھو گئے
پیار کے گیت جانے کہاں سو گئے

بلبلیں چپ ہوئیں پھول بکنے لگے
وہ محبت کے نغمات مٹنے لگے

اب کوئی پیار کے گیت گاتا نہیں
کوئی الفت کے نغمے سناتا نہیں

کس نے گلشن کی رنگیں قبا چھین لی
پھول روندے کلی کی ادا چھین لی

میرے اس دیس میں پیار ہی پیار تھا
شادمانی تھی اور رنگ ہی رنگ تھا

پیار کے گیت تھے میرے اس دیس میں
ہر کوئی شاد تھا میرے اس دیس میں

چار سو بلبلیں گنگناتی تھیں یاں
تتلیاں پیار سے مسکراتی تھیں یاں

وہ محبت کے قصے وہ رعنائیاں
رہ گئی ہیں فقط اب تو پرچھائیاں

وہ برستی گھٹائیں کہاں کھو گئیں
مست خوشیوں کی پریاں کہاں سو گئیں

کوئی آئے بہاروں میں گل کھل اٹھیں
پھول مہکیں ہواؤں کے در کھل اٹھیں

پھر وہی رنگ ہو پھر وہی پیار ہو
پھر وہی ساز ہو پھر وہی تار ہو

یہ چمن پھر سے یونہی مہکنے لگے
ذرہ ذرہ وطن کا دمکنے لگے

☆☆☆

میاں صدیق بانی انعامی سکالرشپ کی نئی سکیم کا اعلان

میٹرک کے امتحان 2003ء سے وظائف کا آغاز

مکرم میاں محمد صدیق بانی (مرحوم) کی طرف سے میٹرک کے بورڈ کے امتحان 2003ء میں (پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد یا آزاد کشمیر کسی بھی بورڈ سے) پاکستان بھر میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے احمدی طالب علم/طالبہ علم کو مندرجہ ذیل Categories کے مطابق مبلغ دس ہزار روپے (-/10,000) انعامی سکالرشپ دیا جائے گا۔ اس انعامی وظیفہ کی تفصیل یوں ہوگی۔

۱۔ سائنس گروپ میں پاکستان بھر میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالب علم/طالبہ اس انعام کا مستحق ہوگا/ہوگی۔
۲۔ اسی طرح آرٹس گروپ میں بھی پاکستان بھر میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالب علم/طالبہ اس انعام کا مستحق ہوگا/ہوگی۔
2003ء میں میٹرک کا امتحان دینے والے تمام احمدی طلباء وطالبات اگر وہ قواعد پر پورا اترتے ہوں تو وہ اس مقابلہ میں شامل ہوسکتے ہیں۔

قواعد ضوابط

۱۔ یہ اعلان 2003ء کے میٹرک کے سالانہ امتحان کے لئے ہے اس سے قبل کا کوئی امتحان اس سکیم میں شامل نہ ہوگا۔
۲۔ اس سکیم کا اطلاق صرف اور صرف First Annual Exmination پر ہوگا۔
۳۔ By Parts یا Division Improve کرنے والے اس سکیم میں شامل ہونے کے اہل نہ ہونگے۔
۴۔ سالانہ امتحان 2003ء میں 725/850 سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طلباء وطالبات سے درخواست دینے کے اہل ہونگے۔
۵۔ طلباء وطالبات کے لئے الگ الگ معیار نہیں ہیں اور نہ ہی بورڈ میں کوئی پوزیشن آنا ضروری ہے بلکہ اپنے شعبہ میں جو بھی سب سے زیادہ نمبر حاصل کرے گا وہ انعام کا مستحق قرار پائے گا۔

درخواست دینے کی آخری تاریخ اور طریقہ کار

۱۔ سادہ کاغذ پر بنام ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ ربوہ درخواست بھجوانا ہوگی۔ ۲۔ درخواست کے ساتھ میٹرک کی سند یا مارک شیٹ کی فوٹو لگانا لازمی ہوگا۔ ۳۔ اس طرح درخواست اور سند یا مارک شیٹ کی فوٹو کاپی پر بھی مکرم امیر صاحب جماعت/امیر صاحب ضلع کی تصدیق لازمی ہے۔ تصدیق کے بغیر کوئی درخواست زیر غور نہ لائی جائے گی۔ ۴۔ انعام کے مستحق قرار پانے والے طلبہ کو ان کی درخواست پر مندرج ایڈریس پر اطلاع کردی جائے گی۔ ۵۔ درخواست جمع کروانے کی آخری تاریخ 31 اگست 2003ء مقرر ہے۔ اس کے بعد آنے والی کوئی درخواست زیر غور نہ لائی جائے گی۔

(نظارت تعلیم)

☆☆☆

قسط اوّل

اُردو زبان کے تلفُّظ کا تذکرہ

(مکرم یعقوب امجد صاحب۔ کھاریاں)

کسی زبان کو جاننے کے بعد سب سے ضروری چیز اس زبان کا تلفظ ہوتا ہے۔ اُردو زبان چونکہ مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے اس لیے اس کے تلفظ کی درستگی تقاضا کرتی ہے کہ ہم ان سب زبانوں سے کسی حد تک واقف ہوں جن سے مل کر یہ بنی ہے۔ مثلاً: اُردو مجموعہ ہے عربی، فارسی، ترکی، افغانی، پنجابی، ہندی اور دیگر مقامی زبانوں کا۔ اس لیے ان زبانوں کو ضرورت کے مطابق جاننا ضروری ہے۔ اس کے بعد تلفُّظ بہت ضروری ہے۔

ان معروضات کے ساتھ آج بعض تین حرفوں والے الفاظ کے تلفظ کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اُردو زبان میں تین حرفی الفاظ دو طرح پر آتے ہیں۔

۱۔ ایسے تین حرفی الفاظ جن کا درمیان والا حرف ساکن ہوتا ہے۔ اسے ساکن پڑھنا ہی اس کے حُسن کی علامت ہے۔ مثلاً: اَصْل، عَقْل، قَبْر، نَقْش، قَتْل، عِلْم، شَکْل اور مِثْل وغیرہ۔

۲۔ ایسے تین حرفی الفاظ جن کا درمیان والا حرف متحرک ہوتا ہے۔ اسے متحرک پڑھنا ہی اس میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ مثلاً: اَثَر، نَظَر، جِگَر، خَبَر، خَلِش، تَپِش، عَلَم، اَلَم اور مَثَل وغیرہ۔

یاد رہے کہ بعض تین حرفی الفاظ ایسے ہیں جنھیں درمیان والے ساکن حرف کے ساتھ پڑھنا کچھ تکلف پیدا کرتا ہے۔ ایسے الفاظ کو ادا کرنے کے لیے سابق اہل زبان اور موجودہ دور کے مستند دانشور دو باتوں کی اجازت دیتے ہیں۔

۱۔ ایسے تین حرفی الفاظ کے درمیان ساکن حرف کے نیچے زیر پڑھی جائے۔ مثلاً: فَتْح سے فَتِح، طَرْح سے طَرِح، وَجْہ سے وَجِہ اور صُبْح سے صُبِح۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ "اِذَا حُرِّکَ السَّاکِنُ حُرِّکَ بِالْکَسْرَۃ"۔ یعنی ساکن کو ضرورت کے تحت زیر دی جاتی ہے۔

۲۔ اگر درمیانی ساکن حرف کو زیر سے پڑھنا تکلف معلوم ہو، تو ایسی صورت میں، اُسے زبر سے ادا کریں۔ اس لیے کہ زبر اَخَفُّ الْحَرکات ہونے کی وجہ سے موزوں سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً: صُبْح کو صُبَح، صُلْح کو صُلَح، جَمْع کو جَمَع، وَضْع کو وَضَع، قَطْع کو قَطَع کہا جائے۔

اس امر کو زیر نظر رکھیں کہ تین حرفی الفاظ میں یہ تصرف صرف نثر تک محدود ہے۔ نظم میں اگر ایسے الفاظ لائے جائیں، تو اپنے اصلی تلفظ کا تقاضا کریں گے، ورنہ وہ نظم کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔ مثلاً: ع

رَو میں ہے رَخشِ عُمر کہاں دیکھیے تھمے

اس میں عُمْر کو عُمَر پڑھیں، تو مصرع وزن سے ساقط ہو جائے گا۔ یا اس مصرع میں: ع

دلیلِ صُبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی

لفظ صُبْح کو صُبَح یا صُبِح پڑھیں تو قبول نہیں ہوگا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ شعر الفاظ کے درست تلفظ کے لیے بہت حد تک معیار کا کام دیتا ہے۔ شعر کے علاوہ اگر ساکن الوسط تین

حرفی الفاظ مرکب کی کسی صورت میں آجائے تو تب بھی اپنے تلفظ کی درستی کے لیے متکلم سے تقاضا کرتا ہے۔ مثلاً: صُبحِ عید، وَجہِ غم، عقلِ سلیم اور نقشِ نو وغیرہ۔

ہاں! شاذ و نادر طور پر شاعر بھی قافیے کی ضرورت کے تحت یا وزن کو پورا کرنے کے لیے، پابندی سے بے نیاز ہوجاتا ہے مگر کسی شاعر کا ایسا استعمال کرنا قاعدہ نہیں بن جاتا۔ اس لیے اسے ضرورتِ شعری کا نام دیا جاتا ہے۔

متحرک الوسط الفاظ کا حسن بھی، اُن کے درمیانی حرف کی حرکت کی وجہ سے قائم رہتا ہے اور اس کی حقیقت بھی شعر کے اندر آنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً:-

ع **ہے عَمَل میں کامیابی، موت میں ہے زندگی**

ع **خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد**

ع **خاک ہوجائیں گے ہم، تم کو خبر ہونے تک**

ع **میں بھی ہوں، ایک عنایت کی نظر ہونے تک**

ع **یہ اپنا حوصلہ نہیں، اپنا جگر نہیں**

ان مصرعوں میں: عَمَل، خِرَد، خَبَر، نَظَر اور جِگَر، ان کا حُسن ان کے متحرک الوسط ہونے پر قائم ہے۔ اگر انھیں ساکن الوسط پڑھا جائے، تو نہ صرف مذکورہ مصرعے وزن سے خارج ہوجائیں گے، خود ان الفاظ کا ادا کرنا بھی دشوار معلوم ہوگا۔

اُردو کے بیشتر الفاظ جو تین حرفی ہیں، وہ عربی زبان سے آئے ہیں۔ کچھ فارسی اور دیگر زبانوں سے لیے گئے ہیں۔ اس لیے تھوڑی سی توجہ سے سہ حرفی الفاظ کے تلفظ کو درست کیا جاسکتا ہے۔ راہیں ہم نے تجویز کردی ہیں، کام لیں تو یقیناً تلفظ کا مسئلہ آسانی سے حل ہوجائے گا۔ محض سماع پر دار و مدار نہ رکھیں، بچشمِ خود مطالعے کی عادت اختیار کریں۔

ایک دَور تھا کہ ریڈیو اور ٹی۔وی سے بھی اصلاحِ تلفظ کے لیے استفادہ کیا جاتا تھا، مگر اب وہ دَور گذر گیا ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ ہر دو اداروں کی زبان بھی مستند نہیں رہی۔ انھوں نے اَقوام مُتَّحِدَہ کو اَقوام مُتَحِدَہ بنادیا ہے اور مُثبِت کو مُثبَت میں تبدیل کردیا ہے۔ اسی طرح اس میں کوئی کلام نہیں کہ اردو زبان متواتر تبدیلیوں سے گذرتی ہوئی یہاں تک آئی ہے، مگر مُتَّحِدَہ کو مُتَحِدَہ کہنے اور واقِع کو واقَع کہنے کے لیے کونسی شعری ضرورت ہے؟ پھر کیا مُتَّحِدَہ اور مُتَحِدَہ کے معنوں میں اختلاف نہیں ہے؟ یقیناً ہے، تو پھر اس کے تلفظ کو بگاڑنے کا کیا جواز ہے؟ اسی طرح ایک لفظ تَجرِبَہ ہے، جسے تَجرُبَہ پڑھا جاتا ہے۔ دیکھیے دانشور کہلانے والے کیسے کیسے تجربات کررہے ہیں اور کیسی کیسی کند چُھریاں اُردو کے گلے پر چلا رہے ہیں۔ ہم نے اُردو کے تلفظ کی دُرستی کے لیے چند معروضات پیش کی ہیں۔ خصوصاً تین حرفی الفاظ کے تلفظ کا ذکر کرتے ہوئے مثالیں دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگر ان الفاظ پر توجہ نہ کی جائے، تو بعض اوقات زیر و زبر کے اختلاف سے معنوی اختلاف بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ اب اسی سلسلے میں ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے، ہم کچھ چار حرفی الفاظ کے تلفظ کا تذکرہ کریں گے۔ اس تذکرے سے مقصود صرف یہ ہے کہ حتی المقدور احباب کو اُردو کے درست تلفظ کی طرف راغب کیا جائے۔ اس لیے کہ اُردو زبان کا مستقبل اب بہت حد تک جماعت احمدیہ سے وابستہ ہوچکا ہے۔ اس لیے اُردو کے دیگر خادموں کی نسبت ہمیں اس کی خدمت کا حق بہتر طور ادا کرنا ہوگا۔

اُردو زبان میں زیادہ تر عربی و فارسی یا ہندی اور سنسکرت وغیرہ کے الفاظ شامل ہیں۔ ہر اُردو بولنے والا اور لکھنے والا، ان زبانوں پر عبور تو حاصل نہیں کرسکتا، بلکہ کوئی دانشور بھی ایسا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ تاہم کچھ توجہ دینے سے زبان کی اصلاح ضرور کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ اردو زبان کو جو مقام و

مرتبہ حاصل رہا ہے یا آئندہ جو بین الاقوامی مقام ملنے والا ہے، اس کی طرف چلتے چلتے اس کے دامن کو آبدار موتیوں اور لعل و گوہر سے بھرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہر نوع کے خیالات کو بہتر سے بہتر انداز میں ادا کیا اور لکھا جا سکے۔ اُمید ہے کہ احباب نہ صرف ہمیں اپنے مشوروں سے نوازیں گے، بلکہ اپنے اپنے ماحول میں اُردو کی اصلاحی خدمت کے لیے پروگرام بناتے رہیں گے۔ تاکہ سب مل کر اس کارِ خیر کو سرانجام دیں اور وہ زبان، جسے مسیحِ دوراں نے اپنی تقریر و تحریر کے لیے اختیار فرمایا، ہم ناچیز خادم اُس کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کرتے ہوئے، اُسے اس لائق بنا دیں کہ وہ مستقبل میں اپنے لیے بین الاقوامی مقام کا تقاضا کر سکے۔

اُردو زبان میں روزمرّے اور محاورے کو بڑی اہمیت حاصل ہے، مگر ان دونوں خوبیوں میں کشش تبھی پیدا ہوتی ہے کہ جب متکلم کا تلفظ درست ہو۔ روزمرّہ اور محاورہ دونوں درست جگہ پر، اگر درست تلفظ کے ساتھ بولے جائیں، تو متکلم کی گفتگو زیادہ موثر اور پرکشش ہو جاتی ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر ہم نے تلفظ کی درستی کا پروگرام شروع کیا ہے۔ اب اس پروگرام میں ہم اردو زبان میں استعمال ہونے والے چار حرفی الفاظ کا کچھ تذکرہ کر رہے ہیں۔ ہم صرف حروف کی گنتی کی وجہ سے ان الفاظ کو چار حرفی کا نام دے رہے ہیں۔ اس لیے ان میں عربی و فارسی کے ملے جلے الفاظ ہیں۔ ہوسکتا ہے بعض علاقائی زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہو جائیں کیونکہ پاکستان کے قیام کے بعد علاقائی زبانوں نے بھی اُردو کے دامن میں اپنے لعل و گوہر ڈال دیے ہیں۔ ہاں! الفاظ کا تذکرہ اُردو کی الف بائی ترتیب کے لحاظ سے کیا جائے گا۔

۱۔ الف سے شروع ہونے والے بعض چار حرفی الفاظ کا تلفظ درست طور پر ادا نہیں کیا جاتا مثلاً: آخِر اور آخَر میں فرق نہیں کیا جاتا۔ جب کہ دونوں معنوی طور پر جدا جدا ہیں۔ اگر خے کے نیچے زیر پڑھی جائے تو معنے ہیں: سب سے بعد کا یا انتہا یا انجام وغیرہ اور اگر آخَر خے کی زبر سے پڑھا جائے، تو معنے ہیں: کوئی دوسرا یا دیگر یا غیر وغیرہ۔ اسی طرح آساس کو اساس بھی پڑھا جاتا ہے، حالانکہ اساس جمع ہے اور اس کے معنے ہیں ''بنیادیں'' اور آساس واحد ہے اور معنے ہیں ''بنیاد''۔ ایسے ہی اَمْر کی جمع کو اَمُور پڑھا جاتا ہے، جبکہ جمع کے الف کے اوپر پیش ہے اور اس کا تلفظ ہے: اُمُور۔ اسی طرح اِمام کو اکثر دفعہ اَمام بولا جاتا ہے، حالانکہ دونوں کے معنے جدا جدا ہیں۔ اِمام کے معنے ہیں: پیش نماز یا پیش رو وغیرہ، جبکہ اَمام کے معنے ہیں: آگے یا سامنے کی طرف۔ اسی طرح اَولی اور اُولی میں فرق کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ زبر اور پیش نے معنی جدا جدا کر دیے ہیں۔ ہم نے نمونے کے طور پر چند مثالیں دی ہیں۔ قارئین کرام کو مزید تحقیق کی دعوت دی جاتی ہے۔ اُمید ہے اہلِ ذوق تحقیق کی راہ کو پسند کریں گے۔ اسی طرح اِغوا اور اِفشا کو بھی زیر سے پڑھا جائے۔ جبکہ ان دونوں لفظوں کو عموماً الف کی زبر سے اَغوا اور اَفشا پڑھا جاتا ہے، جو درست نہیں۔

۲۔ بے سے شروع ہونے والے بعض الفاظ فریاد کرتے ہیں کہ اُن کے تلفظ کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ایسے ہی چار حرفی الفاظ میں: بارش، باسط، بساط، باقر، بلال، بینش، باہر اور بیّن وغیرہ شامل ہیں۔ مذکورہ الفاظ کو عموماً بارَش، باسَط، بَساط، باقَر، بَلال، بینَش، باہر اور بیّن بولا جاتا ہے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر میں معنوی تصرف رو نہیں پاتا، مگر حُسنِ تلفُّظ کا تقاضا ہے کہ انہیں دُرست ادا کیا جائے۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆

حضرت مصلح موعود کا کردار اور راہنمائی

تحریک پاکستان میں

(مرسلہ: مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب)

حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب نے اپنی کتاب ''احمدیت'' میں تحریک پاکستان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے عظیم الشان کردار پر روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح آپ نے تحریک پاکستان کے اہم موقعہ اور موڑ پر اپنی خداداد فہم و فراست سے راہنمائی فرمائی ہے۔ یہ اس شخص کی تحریر ہے جو 1917 سے قیام پاکستان تک کے اہم واقعات کا عینی شاہد اور بعض اہم مواقع پر اس کی اپنی کوششیں اور قابل قدر مساعی بھی شامل حال رہی ہیں۔ اس اہم اور تاریخی تحریر کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

پہلی جنگ عظیم جس کی پیشگوئی چند سال پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی تھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے منصب خلافت پر متمکن ہونے کے پانچ ماہ سے بھی کم عرصہ میں وہ جنگ چھڑ گئی۔

ہندوستان اس وقت برطانیہ کا محکوم تھا۔ برطانیہ کی جنگ میں شمولیت سے ہندوستان از خود جنگ میں شریک ہو گیا۔ جونہی جنگ شروع ہوئی ہندوستان کے سیاسی راہنماؤں نے یہ امید باندھی اور پھر مطالبہ کر دیا کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو آئینی طور پر نوآبادی کا درجہ دے دیا جائے۔ اس مطالبے کے جواب میں سرکار نے اگست 1917ء کو پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ برطانیہ کی پالیسی کا مقصد ہندوستان کی نوآبادیاتی حیثیت کا حصول تھا۔ اس اعلان کے پیش نظر ایڈون سیموئیل مونٹیگو (سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان) نے جنگ کے بعد ہندوستان کو نوآبادی کا درجہ دینے کے لئے رائے عامہ معلوم کرنے اور اُسکے خدوخال کے تعین کے لئے ہندوستان کا دورہ کیا۔ گورنر جنرل لارڈ چیمز فورڈ اور سیکرٹری آف سٹیٹ کے سامنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے سیاسی نمائندوں اور علاقائی تنظیموں کو دہلی بلایا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو بھی ایک دعوت نامہ ملا کہ آپ دہلی تشریف لا کر گورنر جنرل اور سیکرٹری آف سٹیٹ سے ملیں اور اپنے خیالات سے آگاہ کریں۔ آپ نے ایک خطاب لکھا جس میں آپ نے اپنے خیالات کا بالتفصیل اظہار کیا تھا۔ آپ اپنی جماعت کے چند افراد کے ایک وفد کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے۔ اس خطاب کے انگریزی ترجمہ کو (جسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے لکھا تھا) گورنر جنرل اور سیکرٹری آف سٹیٹ کے سامنے وفد کے ایک رکن نے پڑھ کر سنایا۔ تبادلہ خیالات کے لئے آپ نے گورنر جنرل اور سیکرٹری آف سٹیٹ سے خود بھی ملاقات کی۔ اُس ملاقات میں سیکرٹری آف سٹیٹ نے بتایا کہ وہ آپ کے خطاب سے بہت متاثر ہوا ہے اور چند امور کی بابت مزید وضاحت کی استدعا کی۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے یہ بھی

بتایا کہ اس نے تقریر میں بیان کی گئی تجاویز کو بڑی احتیاط سے لکھ لیا ہے تا کہ جب وہ اپنی رپورٹ کو لکھے تو یہ نظر انداز نہ ہو جائیں۔ اور ان میں سے دو تین تجاویز کو اپنی رپورٹ میں شامل کرنے کا بھی ارادہ ہے یہ حضرت مصلح موعود کا سیاسیات اور پبلک لائف میں اولین تعارف تھا۔ اس کے بعد آپ نے کوئی موقعہ بھی اپنی موقر رائے کے بغیر خالی نہ جانے دیا جو مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے سیاسی یا آئینی سطح پر ابھرا۔

سیکرٹری آف سٹیٹ کی رپورٹ کے پیش نظر برطانوی پارلیمینٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء پاس کیا۔ اس ایکٹ کے تحت برطانوی ہند کے صوبہ جات میں دو عملی حکومت (Dyarchy) کا نظام قائم کیا گیا اور مرکز میں امپریل لیجسلیٹو کونسل کو لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ سے بدل دیا گیا۔ ان دونوں میں منتخب شدہ ممبروں کی اکثریت تھی جس میں کچھ سرکاری اور غیر سرکاری ممبران کی شرح شامل تھی۔ صوبائی سطح پر لیجسلیٹو لیجسلیٹو کونسل کہلاتی تھی۔ جس میں کثیر تعداد میں منتخب شدہ ممبروں کی تھی اور ایک تھوڑی سی تعداد نامزد ممبروں کی تھی۔ صوبوں کو دو اقسام مخصوص شدہ (ریزرو) اور منتقل شدہ (ٹرانسفرڈ) میں تقسیم کیا گیا تھا۔ منتقل شدہ امور کا کام وزراء کو سونپا گیا تھا جو منتخب شدہ ممبروں میں سے چنے جاتے تھے اور لیجسلیٹو کے سامنے جواب دہ تھے۔ مخصوص شدہ امور ایگزیکٹو ممبروں کو سونپے گئے تھے۔ ان میں سے ایک بالعموم سرکاری اور دوسرا غیر سرکاری ہوتا تھا۔ وہ گورنر کو جواب دہ تھے اگرچہ وہ لیجسلیٹو کے نامزد ممبر ہوتے تھے۔ جنہیں اپنے کاموں اور پالیسیوں کو قانون سازی لیجسلیٹو میں تحفظ دینا ہوتا تھا۔ یہ دو عملی حکومت کا نظام مختلف صوبوں میں کم و بیش کامیابی سے چلتا رہا۔ صوبہ پنجاب میں یہ نمایاں کامیابی سے چلتا رہا۔ جو میاں سر فضل حسین کی قابلیت سیاسی سوجھ بوجھ اور مہارت کا مرہون منت تھا۔ میاں صاحب پنجاب کے پانچ سال تک سینئر وزیر رہے اور ہر دو ایگزیکٹو ممبروں میں سے ایک بنا دیئے گئے۔ یہ عہدہ آپ کے پاس مزید پانچ سال تک رہا۔ دونوں حیثیتوں میں آپ نے ہندوستان کے لوگوں اور پسماندہ قوموں کی ترقی کے لئے بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ اس طرح آپ نے مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ بھی کیا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919 کے تحت دو عملی گورنمنٹ کے تجربہ کے دس سال بعد ایک رائل کمیشن مقرر کیا جائے گا جو ہندوستان میں مزید آئینی آزادی کے بارے میں سفارشات کرے گا۔ 1926ء میں ہندوستان کی سیاسی قیادت نے رائل کمیشن کے قیام کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے سر جان سائمن (بعد میں لارڈ بن گئے) کی قیادت میں 1927ء کی خزاں میں رائل کمیشن قائم کر دیا گیا۔ کمیشن دونوں ایوانوں کے ممبروں پر مشتمل تھا۔ انڈین نیشنل کانگرس نے ہندوستانیوں کی کمیشن میں نمائندگی نہ ہونے پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا اور اعلان کیا کہ وہ کمیشن سے تعاون نہیں کرے گی۔

ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں کمیشن سے تعاون کا سوال ایک گہرے اور شدید اختلاف کا سبب بن گیا۔ کمیشن کے خلاف غصہ ٹھنڈا کرنے کی ایک کوشش کی گئی۔ اعلان کیا گیا کہ کمیشن سنٹرل انڈین لیجسلیچر کی ایک کمیٹی بلائے گا جو کمیشن کے ساتھ بیٹھے گی اور کمیشن کی کارروائی میں شریک

ہوگی۔ جب کہ کمیشن اس بارے میں شہادتوں کے بارہ میں غور کرے گا۔ جب کمیشن ہر ایک صوبہ میں گیا۔ صوبائی لیجسلیچر کی منتخب کمیٹی اس کے ساتھ بیٹھی اور اس کی نشستوں میں شرکت کی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کمیشن کے سامنے مسلمانوں کا موقف بڑے بھرپور انداز میں پیش کیا۔ نہ صرف صوبائی بلکہ مرکزی سطح پر بھی آپ نے تعاون کے لئے بڑے مضبوط دلائل دیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کا موقف کمزور پڑ جائے۔ آپ نے کمیشن کی رپورٹ سے کسی موافق نتیجہ کی امید نہیں دلائی تھی لیکن آپ اس بات کے شدت سے طرفدار تھے کہ کمیشن کے سامنے مسلمانوں کا موقف دوٹوک، واضح اور مضبوط انداز میں پیش کیا جائے۔

وہ مضبوط دلائل جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کمیشن سے تعاون کرنے کے لئے دیئے ان کا مسلمانوں پر معتد بہ اثر ہوا اور انہوں نے صوبائی اور مرکزی کمیٹیاں بنائیں جنہیں کمیشن کے ساتھ کام کرنا تھا۔

سائمن کمیشن کے متوازی آل انڈیا کانگریس نے پنڈت موتی لال نہرو کی قیادت میں دس ممبروں کی ایک کمیٹی بنائی۔ جس کا مقصد ہندوستان کے لئے ایک آئین تجویز کرنا تھا۔ جسے تمام سیاسی جماعتوں اور اقلیتوں کی حمایت حاصل ہوئی تھی۔ اور اس کو تمام ہندوستان کا متفقہ مطالبہ تسلیم کیا جاتا تھا اس کمیٹی نے نہرو رپورٹ کمیٹی کے نام سے شہرت پائی۔ اس کی رپورٹ 12 اگست 1928ء کو شائع ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اس رپورٹ کو پڑھ کر بہت فکر مند ہوئے۔ کیونکہ جو تجاویز اس رپورٹ میں درج تھیں اگر انہیں قبول کرلیا جاتا اور ان پر ہندوستان کے مستقبل کے قانون میں عمل درآمد کرلیا جاتا تو اس سے ہندوستان کے مسلمان مکمل طور پر اکثریت کے رحم وکرم پر ہوتے اور ہندوستان میں ان کا مستقبل بڑے ہی بھیانک خطرے سے دوچار ہوتا۔ آپ نے اس رپورٹ کا بڑی گہری نظر سے تجزیہ کیا جو روزنامہ الفضل میں سات قسطوں میں شائع ہوا جسے بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ جس کا عنوان ''مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ'' ابتداء میں مسلم پریس اور قیادت کے ایک اہم حصے کا ردعمل عمومی طور پر نہرو رپورٹ کے حق میں تھا۔ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے تجزیے نے مسلمان قیادت کو ان خطرات سے خبردار کیا جن سے مسلمانوں کا سامنا ہوتا تھا اگر ہندوستان کے مستقبل کے آئین میں اس رپورٹ کی تجاویز کو قبول کرلیا جاتا۔ اس وقت ہر کسی نے اسے تسلیم کیا کہ خلیفۃ المسیح کی ذہانت وفطانت اور سیاسی دوراندیشی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ان شدید خطرات سے بچالیا۔ جن خطرات نے انہیں نہرو رپورٹ میں گھیر اتھا۔

سائمن کمیشن نہایت خلاف توقع ثابت ہوا۔ اسے تمام ہندوستان میں بالاتفاق رد کردیا گیا اور اسے ایک رجعت پسندانہ دستاویز گردانا گیا۔ گورنمنٹ اس ردعمل کی قوت سے اس حد تک متاثر ہوئی کہ اس نے گورنر جنرل لارڈ اروِن (جو بعد میں لارڈ ہیلی فیکس کہلائے) کو اختیار دے دیا کہ وہ 31 اکتوبر 1929ء کو اعلان کردے کہ ہندوستان کو نوآبادی کا درجہ دینا ہی سرکار عالیہ کا فوری مقصد تھا اور ہندوستان کی رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ ہندوستان کے مجوزہ مستقبل کے آئین کے بارے میں برطانوی ہند کے نمائندوں کو دعوت دے۔ اسی طرح ہندوستانی ریاستوں سے مشورہ اور رائے لی جائے جس کا انعقاد لندن میں راؤنڈ ٹیبل

کانفرنس پر ہوگا۔ اس اعلان کے بعد 12 مئی 1930ء کو اطلاع دی گئی کہ راونڈ ٹیبل کانفرنس 20 نومبر 1930ء کے قریب قریب ہوگی۔ اس موقعہ پر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سائمن کمیشن کی رپورٹ کا ایک مدلل تجزیہ کیا اور اسے چھپوا بھی دیا۔ آپ نے اس میں وہ تجاویز دیں جن کی بنیادوں پر ہندوستان کا مستقبل کا آئین بنایا جانا چاہیے تھا۔ اس کے ساتھ آپ نے ان تحفظات کا بھی ذکر کیا جو مسلمانوں کے مفاد کے لئے ضروری تھے۔ یہ کتاب ''ہندوستان کے سیاسی مسائل کا حل'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس کی ہندوستان اور برطانیہ میں وسیع پیمانے پر اشاعت کی گئی۔ سمجھدار طبقوں میں اسے سراہا گیا۔ اس سے لندن میں منعقد ہونے والی 31-1930 اور 1932ء میں گول میز کانفرنسوں کے نمائندوں کو بہت مدد ملی۔

پہلی اور دوسری گول میز کانفرنسوں میں محمد علی جناح مسلمانوں کے نمائندوں میں سے ایک تھے لیکن آپ دوسری گول میز کانفرنس کے آخر پر ہونے والے مذاکرات سے بددل ہوگئے کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق ان کانفرنسوں کی گفتگو میں حقیقت کی کمی تھی۔

دوسری کانفرنس کے اختتام پر آپ نے سیاست سے کنارہ کشی کا فیصلہ کرلیا اور پروگرام یہ بنایا کہ وہ لندن میں رہائش رکھیں گے اور پریوی کونسل کی جوڈیشنل کونسل کے سامنے بطور ایک وکیل کے پریکٹس کریں گے۔ آپ کے اپنے الفاظ ہیں:-

''مجھے اپنی زندگی کا دھچکا گول میز کانفرنس کی میٹنگ میں لگا۔ ہندو جذبات کے خطرے، ہندو ذہنیت۔ ہندو سوچ اور ہندو کے رویے کے تناظر میں مَیں اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہوگیا کہ اتحاد کی کوئی امید نہ رہی۔ میں اپنے ملک کے بارہ میں بہت قنوطیت کا شکار ہوگیا۔ یہ صورت حال بہت تشویشناک تھی۔ میں نے یہ محسوس کرنا شروع کردیا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ نہ ہندو کی ذہنیت تبدیل کرسکتا ہوں اور نہ ہی مسلمانوں کو ان کی تشویشناک حالت کا احساس دلاسکتا ہوں۔ میں اس قدر بددل اور مایوس ہوگیا کہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب میں لندن میں ہی بس جاؤں گا۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ میں ہندوستان سے محبت نہیں کرتا بلکہ میں خودکو بے بس محسوس کرتا تھا''۔

(جناح مصنفہ ہیکٹر بولیتھو لندن 1954 صفحہ 100)

1933ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں اس قدر پریشانی محسوس کی اور آپ کو شدت سے اس امر کا احساس ہوا کہ ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو سیاسی فراست اور آہنی اعصاب کا مالک ہو جیسا کہ مسٹر جناح تھے تاکہ وہ مسلمانان ہند کے لئے ایک آبرومندانہ مستقبل کا قیام ممکن بناسکے۔ آپ نے عبدالرحیم درد امام صاحب (بیت) فضل لندن کو مسٹر جناح سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی کہ وہ مسٹر جناح کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہندوستان واپس لوٹ آئیں تاکہ مسلمانوں کے مفاد کے لئے جدوجہد کرسکیں۔

درد صاحب نے جناح سے بہت سے مذاکرات کئے۔ درد صاحب نے محسوس کیا کہ جو کام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کے ذمہ لگایا ہے وہ بہت مشکل ہے۔ جناح اس بات پر آمادگی کے لئے بہت ہچکچاتے تھے۔ لیکن آخرکار جناح کو اس بات پر راضی ہونے کے لئے رضامندی دینی

پڑی کہ وہ ہندوستان واپس لوٹ آئیں تاکہ وہ بطور سربراہ اس سیاسی جدوجہد کو جاری رکھ سکیں۔ جس کے تحت ایک آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔

جناح کو وقتاً فوقتاً ہندوستان کی دوسری شخصیات نے بھی آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ ہندوستان لوٹ جائیں۔ لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے احکامات کے زیر اثر درد صاحب نے جناح کو آخر کار اپنی مستقل مزاجی سے ہندوستان واپس لوٹنے پر راضی کرلیا۔

جب جناح نے درد صاحب کو اپنے ہندوستان واپسی کے بارہ میں بتایا تو درد صاحب نے احمدیہ (بیت) فضل لندن میں جناح کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ جس میں خاصی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں جناح نے ہندوستان کے مستقبل پر خطاب کیا۔ آپ نے تقریر کے آغاز میں بتایا کہ درد صاحب کی مستقل مزاجی نے انہیں مجبور کردیا ہے کہ وہ دوبارہ سیاست کے میدان میں آئیں۔ جس سے انہوں نے کچھ عرصہ قبل کنارہ کشی کرلی تھی۔ امام (بیت) فضل لندن کی پرجوش تحریک اور مستقل مزاجی نے میرے لئے کوئی راہ فرار نہیں چھوڑی تھی۔ آپ کی تقریر کو اخبارات میں بڑی جگہ دی گئی۔

دی سنڈے ٹائمز نے اپنی 9 اپریل 1933ء کی اشاعت میں لکھا میلروز روڈ ویمبلڈن کی (بیت) کے احاطہ میں ایک بہت بڑا اجتماع تھا۔ جہاں ہندوستان کے مشہور مسلمان مسٹر جناح نے ہندوستان کے مستقبل پر تقریر کی۔ جناب جناح نے ہندوستانی وائٹ پیپر پر قومی نقطہ نگاہ سے ناموافق رائے دی۔ اس تقریب کے صدر ممبر پارلیمنٹ سر نیرن سٹیورٹ سنڈیمن نے اس موضوع پر چرچل کا موقف اختیار کیا۔ جس پر چند مسلمان طلباء نے موصوف پر سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ تاہم بالآخر امام (بیت) فضل لندن نے ان کو خاموش کرادیا۔

مسٹر جناح ہندوستان واپس لوٹ آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھال کر اس میں ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی۔ آپ انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ جس میں ایک وقت تک آپ نے ایک آزاد گروپ کی قیادت کی۔ لیکن جلد ہی آپ نے مسلم لیگ پارٹی جوائن کرلی تو لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان ممبران آپ کے گرد جمع ہو گئے۔

آپ نے ابتداء ہی سے یہ دعویٰ کیا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانان ہند کی نمائندہ جماعت ہے جو سیاست کے میدان میں مسلمانوں کی رائے کی نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن اس کے لئے آپ کو ایک عرصہ لگا جس میں بڑی تگ ودو کرنی پڑی اور گورنمنٹ اور غیر مسلم مخالفین سے منوانے کے لئے بہت جدوجہد کرنی پڑی۔ شروع میں ہی ایک شدید رو آپ کے حق میں چل پڑی اور لیجسلیچر کے پہلے ہی الیکشن میں مسلم لیگ کی نمائندگی ایک ایسا عنصر بن گئی جس پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور افراد جماعت احمدیہ نے اس کی حمایت کی اور اس کی ایسی طاقت بن گئی جس پر پورے اعتماد سے بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔

1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں اپنی حیثیت مستحکم کرنے میں کامیاب ہوگئی اور تقریباً تمام مسلمانوں کی سیٹیں جیت گئی ان صوبوں میں بھی جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ کانگریس ان صوبوں میں جیتی جہاں اس کی اکثریت تھی اور اس نے کسی مسلم لیگ

کے ممبر کو صوبائی لیجسلیچر میں وزیر کے عہدے پر لگانے پر ان صوبوں میں انکار کر دیا۔ یہ امر مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان براہ راست جھگڑے کا باعث بنا۔ جب دوسری جنگ عظیم چھڑی تو کانگریس کے وزیروں نے ان کے مشورے کے بغیر ہندوستان کے جنگ میں کودنے پر احتجاج کے طور پر استعفیٰ دے دیا۔ مسلمانوں نے اس دن کو بطور یوم نجات منایا۔ 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے اپنے لاہور کے اجلاس میں مشہور عام قرارداد پاس کی جسے مطالبہ پاکستان کا نام دے دیا جاتا ہے۔

مسلم لیگ اور اس کے لیڈر مسٹر جناح کو ایک مشکل کا سامنا تھا۔ پنجاب جسے پاکستان کا دل کہا جاتا تھا۔ صوبائی حکومت کی سربراہی سر سکندر حیات کے پاس تھی اور اس کی وفات کے بعد سربراہی ملک سر خضر حیات کے پاس چلی گئی۔ جس پارٹی کے یہ سربراہ تھے وہ یونی نیسٹ پارٹی تھی جس کے ممبر مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل تھے۔ جب کہ سر سکندر مسٹر جناح کے ساتھ کام کرنے کا سمجھوتہ کر چکے تھے۔

جناح اس کارروائی پر مطمئن نہیں تھے۔ اور ان کا اصرار تھا کہ سر سکندر کے جانشین جناح کے ساتھ متفق اور شامل ہو جائیں اور اس کی پارٹی کے مسلم ممبر مسلم لیگ کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ سر خضر حیات نے مسٹر جناح کے اس مطالبہ کی مزاحمت کی اور ایک وقت میں پنجاب میں حالات مسلم لیگ کے نقطہ نظر سے غیر تسلی بخش ہو گئے۔

اس دوران ملک تیزی سے آزادی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ گورنر جنرل لارڈ ویول نے مرکزی سطح پر کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندوں پر مشتمل عبوری حکومت بنانے کے لئے کام شروع کر دیا تھا۔ کئی مشکلات کا سامنا ہوا اور ایک وقت پر ایسا معلوم ہوا کہ کیبنٹ کی تشکیل میں مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اس امکان نے خلیفۃ المسیح کو شدید الجھن اور پریشانی میں ڈال دیا۔ آپ ذاتی طور پر دہلی گئے۔ مسٹر جناح کے مشورے اور تعاون سے اسی طرح نواب آف بھوپال کی اعانت سے آپ اس صورت حال کو پیدا کرنے کا ذریعہ بنے جس سے مسلم لیگ کے لئے ایک رستہ نکلا کہ اسے عبوری حکومت میں شامل ہونے کی ان شرائط پر دعوت دی جائے جو مسلم لیگ کو قابل قبول ہوں۔

1946ء کی موسم بہار میں برطانوی سرکار نے کیبنٹ کے تین ممبران پر مشتمل ایک کمیشن ہندوستان بھیجا تاکہ وہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان تصفیہ کرانے کی کوشش کرے۔ اس کمیشن کو کیبنٹ مشن کا نام دیا گیا۔ مشن نے شدید اور بے دریغ محنت کی اور موسم گرما کے وسط میں ایک منصوبہ پیش کیا جو ہر ایک کے لئے حیرانی کا باعث تھا اور دونوں فریقوں کے لئے قابل قبول تھا۔ وزیر اعظم جواہر لال نہرو جو کانگریس کے صدر بھی تھے۔ انہوں نے منصوبے کے چند پہلوؤں پر خیالات کا اظہار کیا اور کچھ پیراگراف کی توضیحات کیں جس کی زبان ذو معنی تھی۔ مسٹر جناح ان حیلوں بہانوں پر سخت مشتعل ہوئے اور اعلان کیا کہ جب تک نہرو اس کی سادہ الفاظ میں جو شک وشبہ سے بالا ہوں وضاحت نہیں کریں گے کہ کانگریس کیبنٹ مشن کے پلان پر واضح اور صحیح معنوں کے مطابق کام کرے گی تب تک مسلم لیگ اس پر عمل درآمد کرنے میں شامل نہیں ہوگی۔ اس پر گورنر جنرل لارڈ ویول نے گاندھی اور نہرو کو بلا بھیجا اور یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش کی کہ وہ جناح کو مطمئن کریں گے اور